روزنامہ الفضل ربوہ
رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۲۵۴
فون: ۲۴۹
ایڈیٹر: نسیم سیفی
سالانہ نمبر ۱۹۹۳ء

بوسنیا کے ستم رسیدہ والدین کا ایک بچہ....... حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی گود میں کتنا خوش نظر آتا ہے۔

سرچشمۂ فیضِ و ہُدا

حضرت اقدس بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کا شیریں اور روح پرور فارسی منظوم کلام

گر خدا از بندۂ خوشنود نیست　　ہیچ حیوانے چواو مردود نیست

اگر خدا بندہ سے خوش نہیں ہے تو اس جیسا کوئی حیوان بھی مردود نہیں

گرسگِ نفسِ دنی را پروریم　　ازسگانِ کوچہ ہا ہم کمتریم

اگر ہم اپنے ذلیل نفس کو پالنے میں لگے رہیں تو ہم گلیوں کے کتوں سے بھی بدتر ہیں

اے خدا اے طالباں را رہنما!　　ایکہ مہرِ تُو حیاتِ روحِ ما!

اے خدا۔ اے طالبوں کے رہنما۔ اے وہ کہ تیری محبت ہماری رُوح کی زندگی ہے

بررضائے خویش کُن انجامِ ما　　تا برآید در دو عالم کامِ ما!

تو ہمارا خاتمہ اپنی رضا پر کر کہ دونوں جہان میں ہماری مراد پوری ہو

خلق و عَالم جملہ در شور و شراند　　طالبانت در مقامِ دیگر اند

دنیا اور اس کے لوگ سب شور و شر میں مصروف ہیں۔ مگر تیرے طالب اور ہی مقام پر ہیں

آں یکے را نورمے بخشی بہ دِل　　واں دگر رامے گذاری پابہ گِل

ان میں سے ایک کے دل کو تو نور بخشتا ہے اور دوسرے کو کیچڑ میں پھنسا ہوا چھوڑ دیتا ہے

چشم و گوش و دل زتو گیرد ضیا　　ذاتِ تو سرچشمۂ فیض و ہُدا

آنکھ کان اور دل تجھ سے ہی روشنی حاصل کرتے ہیں۔ تیری ذات ہدایت اور فیض کا سرچشمہ ہے

درثمین فارسی

جلد نمبر ۴۳-۷۸ شمارہ نمبر ۲۹۰

روزنامہ الفضل ربوہ	پبلشر: آغا سیف اللہ - پرنٹر: قاضی منیر احمد مطبع: ضیاء الاسلام پریس - ربوہ مقام اشاعت: دارالنصر غربی - ربوہ	قیمت ۱۵-۰۰ روپے

۲۶ / فتح ۷۲ / ۱۳ ھش ۲۶ / دسمبر ۱۹۹۳ء

دعاؤں کا استحقاق

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ پر سلامتی نازل فرماتا رہے۔ نے ۱۸۹۱ء میں پہلا جلسہ منعقد فرمایا تھا۔ اس کے بعد اب تک اسی جلسہ کی اتباع میں اور اس کے فیض سے مستفیض ہونے کے لئے دنیا بھر میں جلسے ہو رہے ہیں۔ جو دعائیں حضور نے جلسہ میں شرکت کرنے والوں کے لئے کی تھیں ان سے دنیا بھر کے احمدی متمتع ہو رہے ہیں۔ حضور اقدس کی دعائیں ان کے لئے بھی ہیں جو شرکت کرتے ہیں اور ان کے لئے بھی جو کسی مجبوری کی وجہ سے محروم رہ جاتے ہیں۔

دعاؤں کے سلسلہ میں اس موقعہ پر ہم یہ کہنا چاہیں گے کہ حضرت اقدس نے تو تمام احمدیوں کے لئے دعائیں کی ہیں لیکن دعا کا مستحق ہونا بھی دعا کی قبولیت کی ایک شرط ہے۔ ہم میں سے صرف انہیں کے حق میں حقیقی طور پر دعائیں قبول ہوتی ہیں جو اپنا استحقاق ثابت کرتے ہیں۔ اس بات کی طرف ہمارے موجودہ امام حضرت مرزا طاہر احمد صاحب ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے بھی بارہا توجہ دلائی ہے کہ دوست اپنے آپ کو دعاؤں کا مستحق بنائیں۔

دعاؤں کے استحقاق کے سلسلہ میں حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ فرماتے ہیں "جو حالت میری توجہ کو جذب کرتی ہے اور جسے دیکھ کر میں دعا کے لئے تحریک پاتا ہوں وہ ایک ہی بات ہے کہ میں کسی شخص کی نسبت معلوم کرلوں کہ یہ خدمت دین کے سزاوار ہے اور اس کا وجود خدا تعالیٰ کے لئے۔ خدا کے رسول کے لئے 'خدا کی کتاب کے لئے اور خدا کے بندوں کے لئے نافع ہے ایسے شخص کو جو درد و الم پہنچے وہ در حقیقت مجھے پہنچتا ہے۔ ہمارے دوستوں کو چاہئے کہ وہ اپنے دلوں میں خدمتِ دین کی نیت باندھ لیں۔ جس طرز اور جس رنگ کی خدمت جس سے بن پڑے کرے۔"

حضور کے ان ارشادات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ دعاؤں کا استحقاق اسی شخص کو حاصل ہے جو اپنے آپ کو خدا اور رسول اور کتاب کے لئے نافع الناس بنائے اور جو ہر لمحہ اپنی زندگی کو خدمت دین کے لئے وقف رکھے۔ جہاں تک خدمت دین کا تعلق ہے اس کا کوئی ایک پہلو نہیں ہے۔ جس طرز اور جس رنگ میں خدمت دین کی جاسکے کی جائے۔

یہی بات ہمیں حضرت اقدس کی دعاؤں کا مستحق بنا سکتی ہے۔

موسم ہے دعاؤں کا دعاؤں میں ہیں مصروف
صف بستہ کھڑے ہیں ترے دربار میں مولا
تو سب کو دعاؤں سے بہت بڑھ کر عطا کر
کس شئے کی کمی ہے تری سرکار میں مولا

ابو الاقبال

...... دن ہیں

پھر جلسۂ سالانہ کے سامان کے دن ہیں
اللہ سے کچھ وعدہ و پیمان کے دن ہیں

یاد آتی ہیں پھر سب سے ملاقات کی باتیں
یہ حسنِ تکلم کے ہیں' احسان کے دن ہیں

ہر شخص سے اظہارِ محبت ہے شب و روز
یہ دن تو بڑے حسن کے' احسان کے دن ہیں

اخلاص میں گوندھی ہوئی ہر ایک کی آواز
یہ علم کے' ایزادئی ایقان کے دن ہیں

اطفال' کہ خدام' کہ انصار ہوں سب کے
دل جانتے ہیں' خدمتِ انسان کے دن ہیں

ملتی ہے نظر اپنی فرشتوں کی نظر سے
دل کہتا ہے یہ حسرت و ارمان کے دن ہیں

سو سال سے جاری ہے ہواؤں کا تسلسل
بدلے ہیں جو حالات تو طوفان کے دن ہیں

گفتار کو کردار کا ہمرنگ بنا کر
دکھلاؤ کہ یہ خوبیٔ انسان کے دن ہیں

لہروں ہی میں کٹتے ہیں اگرچہ سحر و شام
اب میرے تلاطم میں یہ ہیجان کے دن ہیں

ہر لمحہ دعاؤں میں گذرنے کے ہیں یہ دن
افزودگیٔ جذبۂ ایمان کے دن ہیں

لے جاؤں نسیم آپ کو ماضی کی فضا میں
یہ جلسۂ سالانہ کے سامان کے دن ہیں

نسیم سیفی

ایمان اور قوّتِ عمل

حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی کا منظوم کلام

میری نہیں زبان جو اُس کی زباں نہیں
میرا نہیں وہ دل کہ جو اُس کا مکاں نہیں

ہے دل میں عشق، پر مرے منہ میں زباں نہیں
نالے نہیں ہیں، آہیں نہیں ہیں، فغاں نہیں

فرقت میں تیری حالِ دلِ زار کیا کہیں
وہ آگ لگ رہی ہے کہ جس میں دھواں نہیں

قرباں ہوں زخمِ دل پہ کہ سب حال کہہ دیا
شکوہ کا حرف کوئی مگر درمیاں نہیں

کیوں چھوڑتا ہے دل مجھے اُس کی تلاش میں
آوارگی سے فائدہ کیا، وہ کہاں نہیں

مطلوب ہے فقط مجھے خوشنودئ مزاج
امیدِ حور و خواہشِ باغِ جناں نہیں

جلوہ ہے ذرہ ذرہ میں دلبر کے حُسن کا
سارے مکاں اسی کے ہیں وہ لامکاں نہیں

مشتاق ہے جہاں کہ سنے معرفت کی بات
لیکن حیا و شرم سے چلتی زباں نہیں

یارب تری مدد ہو تو اصلاحِ خلق ہو
اٹھنے کا ورنہ مجھ سے یہ بارِ گراں نہیں

کھویا گیا خود آپ کسی کی تلاش میں
کچھ بھی خبر نہیں کہ کہاں ہوں کہاں نہیں

اے دوست تیرا عشق ہی کچھ خام ہو تو ہو
یہ تو نہیں کہ یار ترا مہرباں نہیں

ایمان جس کے ساتھ نہ ہو قوتِ عمل
کشتی ہے جس کے ساتھ کوئی بادباں نہیں

کلام محمود

ظہور خیر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

سیدنا حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا منظوم کلام

اک رات مفاسد کی وہ تیرہ و تار آئی — جو نور کی ہر شمع ظلمات پہ وار آئی
تاریکی پہ تاریکی' اندھیرے پہ اندھیرے — ابلیس نے کی اپنے لشکر کی صف آرائی
طوفانِ مفاسد میں غرق ہو گئے بحر و بر — ایرانی و فارانی' رومی و بخارائی
بن بیٹھے خدا بندے' دیکھا نہ مقام اس کا
طاغوت کے چیلوں نے ہتھیا لیا نام اس کا

تب عرشِ معلیٰ سے اِک نُور کا تخت اترا — اک فوج فرشتوں کی ہمراہ سوار آئی
اک ساعت نورانی خورشید سے روشن تر — پہلو میں لئے جلوے بے حدّ و شمار آئی
کافور ہوا باطل' سب ظلم ہوئے زائل — اُس شمس نے دکھلائی جب شانِ خود آرائی
ابلیس ہوا غارت' چُوپٹ ہوا کام اس کا
توحید کی یورش نے دَر چھوڑا' نہ بام اس کا

وہ پاک محمدؐ ہے ہم سب کا حبیب آقا — انوارِ رسالت ہیں جس کی چمن آرائی
محبوبی و رعنائی کرتی ہیں طواف اس کا — قدموں پہ نثار اس کے جمشیدی و دارائی
نبیوں نے سجائی تھی جو بزم مہ و انجم — واللہ اُسی کی تھی سب انجمن آرائی
دن رات دُرود اس پر ہر ادنیٰ غلام اس کا
پڑھتا ہے بصد منت جپتے ہوئے نام اس کا

آیا وہ غنی جس کو جو اپنی دعا پہنچی — ہم دَر کے فقیروں کے بھی بخت سنوار آئی
ظاہر ہوا وہ جلوہ جب اس سے نگہ پلٹی — خود حُسن نظر اپنا سَو چند نکھار آئی
اے چشمِ خزاں دیدہ کُھل کُھل کہ سماں بدلا — اے فطرتِ خوابیدہ اُٹھ اُٹھ کہ بہار آئی
نبیوں کا امام آیا اللہ امام اس کا
سب تختوں سے اونچا ہے تخت عالی مقام اس کا

اللہ کے آئینہ خانے سے شریعت کی — نکلی وہ دُلہن' کرکے جو سولہ سنگھار آئی
اُترا وہ خدا کوہِ فارانِ محمدؐ پر — موسیٰؑ کو نہ تھی جس کے دیدار کی یارائی
سب یادوں میں بہتر ہے وہ یاد کہ کچھ لمحے — جو اس کے تصوّر کے قدموں میں گذار آئی
وہ ماہِ تمام اس کا مہدی تھا غلام اس کا
روتے ہوئے کرتا تھا وہ ذکر مُدام اس کا

مرزائے غلام احمد تھی جو بھی متاعِ جاں — کر بیٹھا نثار اس پر۔ ہو بیٹھا تمام اس کا
دل اس کی محبت میں ہر لحظہ تھا رام اس کا — اخلاص میں کامل تھا وہ عاشق تام اس کا
اِس دَور کا یہ ساقی۔ گھر سے تو نہ کچھ لایا — مَے خانہ اسی کا تھا۔ مَے اس کی تھی جام اس کا
سَازِندہ تھا یہ' اس کے۔ سب ساجھی تھے بیت اُس کے
دُھن اِس کی تھی گیت اُس کے۔ لَب اِس کے پیام اُس کا

اک میں بھی تو ہوں یارب۔ صیدِ تہِ دام اُس کا — دل گاتا ہے گُن اس کے۔ لَب جپتے ہیں نام اُس کا
آنکھوں کو بھی دکھلادے۔ آنا لب بام اس کا — کانوں میں بھی رس گھولے۔ ہر گام۔ خرام اس کام
خیرات ہو مجھ کو بھی۔ اک جلوۂ عام اس کا — پھر یُوں ہو کہ ہو دل پر۔ الہام کلام اُس کا
اس بام سے نُور اُترے نغمات میں ڈھل ڈھل کر
نغموں سے اُٹھے خوشبو۔ ہو جائے سُرُود عنبر

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے

منتخب ارشادات

"ہنوز لوگ ہمارے اغراض سے واقف نہیں کہ ہم کیا چاہتے ہیں کہ وہ بن جائیں۔ وہ غرض جو ہم چاہتے ہیں (-) وہ پوری نہیں ہو سکتی۔ جب تک لوگ یہاں بار بار نہ آئیں اور آنے سے ذرا بھی نہ اکتائیں"۔ اور فرمایا:

"جو شخص ایسا خیال کرتا ہے کہ آنے میں اس پر بوجھ پڑتا ہے یا ایسا سمجھتا ہے کہ یہاں ٹھہرنے میں ہم پر بوجھ ہو گا۔ اسے ڈرنا چاہئے کہ وہ شرک میں مبتلا ہے۔ ہمارا تو یہ اعتقاد ہے کہ اگر سارا جہان ہمارا عیال ہو جائے' تو ہمارے مہمات کا متکفل خدا تعالیٰ ہے۔ ہم پر ذرا بھی بوجھ نہیں۔ ہمیں تو دوستوں کے وجود سے بڑی راحت پہنچتی ہے۔ یہ وسوسہ ہے جسے دلوں سے دور پھینکنا چاہئے۔ میں نے بعض کو یہ کہتے سنا ہے کہ ہم یہاں بیٹھ کر کیوں حضرت صاحب کو تکلیف دیں۔ ہم تو نکمے ہیں۔ یوں ہی روٹی بیٹھ کر کیوں توڑا کریں وہ یہ یاد رکھیں' یہ شیطانی وسوسہ ہے۔ جو شیطان نے ان کے دلوں میں ڈالا ہے کہ ان کے پیر یہاں جمنے نہ پائیں"۔

ایک دن حکیم فضل دین صاحب نے عرض کیا کہ حضور میں یہاں نکما بیٹھا کیا کرتا ہوں۔ حکم ہو تو بھیرہ چلا جاؤں۔ وہاں درس (-) ہی دیا کروں گا۔ یہاں مجھے بڑی شرم آتی ہے کہ میں حضور کے کسی کام نہیں آتا اور شاید بیکار بیٹھنے میں کوئی معصیت نہ ہو۔ فرمایا "آپ کا یہاں بیٹھنا ہی جہاد ہے اور یہ بیکاری ہی بڑا کام ہے"۔

(ملفوظات جلد اول ص ۳۰۱)

پس تم کو چاہئے کہ تم زندوں کی صحبت تلاش کرو اور بار بار اس کے پاس آ کر بیٹھو۔ ہاں ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک دو مرتبہ میں تاثیر نہیں ہوتی۔ سنت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ ترقی تدریجاً ہوتی ہے۔ جیسے (-)

تم دیکھتے ہو کہ میں بیعت میں یہ اقرار لیتا ہوں کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ یہ اس لئے تا کہ میں دیکھوں کہ بیعت کنندہ اس پر کیا عمل کرتا ہے؟ ذرہ سی نئی زمین کسی کو مل جاوے تو وہ گھربار چھوڑ کر وہاں جا بیٹھتا ہے اور ضروری ہوتا ہے کہ وہ وہاں رہے تا وہ زمین آباد ہو۔ (-) پھر ہم جو ایک نئی زمین اور ایسی زمین دیتے ہیں جس میں اگر صفائی اور محنت سے کاشت کی جاوے' تو ابدی پھل لگ سکتے ہیں۔ کیوں یہاں آ کر لوگ گھر نہیں بناتے اور اگر اس بے احتیاطی کے ساتھ اس زمین کو کوئی لیتا ہے کہ بیعت کے بعد یہاں آنا اور چند روز ٹھہرنا بھی دوبھر اور مشکل معلوم دیتا ہے تو پھر اس کی فصل کے پکنے اور بار آور ہونے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے قلب کا نام بھی زمین رکھا ہے۔ (-) زمیندار کو کس قدر تردد کرنا پڑتا ہے۔ بیل خریدتا ہے۔ ہل چلاتا ہے۔ تخم ریزی کرتا ہے۔ آبپاشی کرتا ہے۔ غرضیکہ بہت بڑی محنت کرتا ہے اور جب تک خود دخل نہ دے کچھ بھی نہیں بنتا۔ لکھا ہے کہ ایک شخص نے پتھر پر لکھا دیکھا۔ "زرع زری زرہے" کھیتی تو کرنے لگا' مگر نوکروں کے سپرد کر دی۔ لیکن جب حساب لیا۔ کچھ وصول ہونا تو درکنار کچھ واجب الادا ہی نکلا۔ پھر اس کو اس موقعہ پر شک پیدا ہوا تو کسی دانشمند نے سمجھایا کہ نصیحت تو سچی ہے' لیکن تمہاری بے وقوفی ہے۔ خود مہتمم بنو' تب فائدہ ہو گا۔ ٹھیک اسی طرح پر ارض دل کی خاصیت ہے۔ جو اس کو بے عزتی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اس کو خدا تعالیٰ کا فضل اور برکت نہیں ملتی۔ یاد رکھو' میں جو اصلاح خلق کے لئے آیا ہوں جو میرے پاس آتا ہے وہ اپنی استعداد کے موافق ایک فضل کا وارث بنتا ہے' لیکن میں صاف طور پر کہتا ہوں کہ وہ جو سرسری طور پر بیعت کر کے چلا جاتا ہے اور پھر اس کا پتہ بھی نہیں ملتا کہ کہاں اور کیا کرتا ہے۔ اس کے لئے کچھ نہیں ہے وہ جیسا تہی دست آیا تھا۔ تہی دست جاتا ہے۔

یہ فضل اور برکت صحبت میں رہنے سے ملتی ہے (-) یہ بہت ضروری ہے مسئلہ ہے۔ خدا کا قرب' بندگان خدا کا قرب ہے اور خدا تعالیٰ کا ارشاد (صادقوں کے ساتھ مل جاؤ) اس پر شاہد ہے۔ یہ ایک سر ہے جس کو تھوڑے ہیں جو سمجھتے ہیں (میں) ایک ہی وقت میں ساری باتیں کبھی بیان نہیں کر سکتا' بلکہ وہ اپنے دوستوں کے امراض کی تشخیص کر کے حسب موقع ان کی اصلاح بذریعہ وعظ و نصیحت کرتا رہتا ہے اور وقتاً فوقتاً وہ ان کے امراض کا ازالہ کرتا رہتا ہے۔ اب جیسے آج میں ساری باتیں بیان نہیں کر سکتا۔ ممکن ہے کہ بعض آدمی ایسی ہوں' جو آج ہی تقریر سن کر چلے جاویں اور بعض باتیں اس میں ان کے مذاق اور مرضی کے خلاف ہوں' تو وہ محروم گئے' لیکن جو متواتر یہاں رہتا ہے۔ وہ ساتھ ساتھ ایک تبدیلی کرتا جاتا ہے اور آخر اپنے مقصد کو پا لیتا ہے۔ ہر ایک آدمی سچی تبدیلی کا محتاج ہے۔

(ملفوظات جلد اول ص ۳۵۰۔۳۵۱)

ہماری جماعت کے لئے یہ امر ضروری پڑا ہوا ہے کہ وہ اپنے وقتوں میں کچھ وقت نکال کر آئیں اور یہاں صحبت میں رہ کر اس غفلت کی تلافی کریں جو غیبوبت کے زمانہ میں پیدا ہوئی اور ان شبہات کو دور کریں جو اس غفلت کا باعث ہوتے ہیں۔ ان کا حق ہے کہ وہ ان کو پیش کریں اور ان کا جواب ہم سے سنیں۔ بھلا اگر کمزور بچہ جو ابھی دودھ پینے اور ماں کے کنار عاطفت کا محتاج ہے۔ اس سے الگ کر دیا جائے تو تم امید کر سکتے ہو کہ وہ بچ رہے گا۔ کبھی نہیں اسی طرح بلوغ سے پیشتر کے کمال اور معرفت کا حال ہے۔ انسان کمزور بچہ کی طرح ہوتا ہے۔

(ملفوظات جلد اول ص ۴۷۹)

ان ساری باتوں پر غور کر کے ایک دانشمند اس نتیجہ پر ضرور پہنچے گا کہ اس بات کی بہت بڑی ضرورت ہے کہ ان زہروں کے دور کرنے کے واسطے جو روح کو تباہ کرتی ہے۔ کسی تریاقی صحبت کی ضرورت ہے۔ جہاں رہ کر انسان مہلکات کا علم بھی حاصل کرتا ہے اور نجات دینے والی چیزوں کی معرفت بھی حاصل کر لیتا ہے۔ اسی واسطے ایک عرصہ سے میرے دل میں یہ بات ہے اور میں سوچتا ہوں کہ اپنی جماعت کا امتحان سوالات کے ذریعہ سے لوں' چنانچہ میں نے اس تجویز کا کئی بار ذکر بھی کیا ہے' اگرچہ ابھی مجھے موقع نہیں ملا' لیکن یہ بات میرے دل میں ہمیشہ رہتی ہے کہ ایک بار سوالات کے ذریعہ آزما کر دیکھوں کہ جو کچھ ہم پیش کرتے ہیں اس کے متعلق ان کو کہاں تک علم ہے اور انہوں نے ہمارے مقاصد اور اغراض کو کہاں تک سمجھا ہے۔ اور جو اعتراض اندرونی یا بیرونی طور پر کیے جاتے ہیں ان کی مدافعت کہاں تک کر سکتے ہیں۔ اگر چالیس (۴۰) آدمی بھی ایسے نکل آویں جن کے نفس منور ہو جاویں اور پوری بصیرت اور معرفت کی روشنی انہیں مل جائے تو وہ بہت کچھ فائدہ پہنچا سکیں۔

(ملفوظات جلد اول ص ۴۸۰)

ایمان یقین اور معرفت

ایمان یقین اور معرفت کے متعلق حضور فرماتے ہیں:۔

جاننا چاہئے کہ خدائے تعالیٰ اور عالم مجازات اور دیگر امور مبداء اور معاد کے ماننے میں فلسفیوں کا طریقہ انبیاء علیہم السلام کے طریقہ سے بہت مختلف ہے۔ نبیوں کے طریق کا اصل اعظم یہ ہے کہ ایمان کا ثواب تب مترتب...... ہو گا کہ جب غیب کی باتوں کو غیب ہی کی صورت میں قبول کیا جائے گا۔ اور ظاہری حواس کی کھلی کھلی شہادتیں یا دلائل خمسہ کے یقینی اور قطعی ثبوت طلب نہ کئے جائیں۔ کیونکہ تمام و کمال مدار ثواب اور استحقاق قرب و توسل الٰہی کا تقویٰ پر ہے۔ اور تقویٰ کی حقیقت وہی شخص اپنے اندر رکھتا ہے۔ جو افراط آمیز تفتیشوں اور لمبے چوڑے انکاروں اور ہر جزء کی موشگافی سے اپنے تئیں بچاتا ہے۔ اور صرف دور اندیشی کے طور سے ایک راہ کی سچائی کا دوسری راہوں پر غلبہ اور رجحان دیکھ کر بہ حسن ظن قبول کر لیتا ہے۔ اسی بات کا نام ایمان ہے اور اسی ایمان پر فیوض الٰہی کا دروازہ کھلتا ہے۔ اور دنیا و آخرت میں سعادتیں حاصل ہوتی ہیں۔ جب کوئی نیک بندہ ایمان پر محکم قدم مارتا ہے اور پھر دعا' (عبادت) اور فکر اور نظر سے اپنی حالت علمی میں ترقی چاہتا ہے تو خدائے تعالیٰ خود اس کا متولی ہو کر اور آپ اس کا ہاتھ پکڑ کر درجہ ایمان سے درجہ عین الیقین تک اس کو پہنچا دیتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ بعد استقامت و مجاہدات و ریاضات و تزکیہ و تصفیہ نفس ملتا ہے۔ پہلے نہیں۔ اور جو شخص پہلے ہی تمام جزئیات کی بکلی صفائی کرنا چاہتا ہے اور قبل از

صفائی اپنے بد عقائد اور بد اعمال کو کسی حالت میں چھوڑنا نہیں چاہتا وہ اس ثواب اور اس راہ کے پانے سے محروم ہے۔ کیونکہ ایمان اس حد تک ایمان ہے جب تک وہ امور جن کو مانا گیا ہے کسی قدر پردہ غیب میں ہوں۔ یعنی ایسی حالت پر واقع ہیں جو ابھی تک عقلی ثبوت نے ان پر احاطہ تام نہیں کیا اور نہ کسی کشفی طور پر وہ نظر آئی بلکہ ان کا ثبوت صرف غلبہ ظن تک پہنچا ہے۔ اور بس۔

یہ تو انبیاء کا سچا فلسفہ ہے۔ جس پر قدم مارنے سے کروڑہا بندگان خدا آسمانی برکتیں پا چکے ہیں۔ اور جس پر ٹھیک چلنے سے بے شمار خلق اللہ معرفت تامہ کے درجہ تک پہنچ چکی ہیں اور ہمیشہ پہنچتی ہیں۔ اور جن اعلیٰ درجہ کی معینوں کو شوخی سے اور جلدی سے فلسفی لوگوں نے ڈھونڈا اور نہ پایا وہ سب ان ایماندار بندوں کو بڑی آسانی سے مل گئے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر اس میں معرفت تامہ کے درجہ تک پہنچ گئے۔ کہ جو کسی فلسفی کے کانوں نے اس کو نہیں سنا۔ اور نہ اس کی آنکھ نے دیکھا۔ نہ کبھی اس کے دل میں گذرا۔ لیکن اس کے مقابلہ پر خشک فلاسفروں کا جھوٹا اور مشکوک فلسفہ جس پر آج کل کے نو تعلیم یافتہ لوگ فریفتہ ہو رہے ہیں اور جس کے بد نتائج کی بے خبری نے بہت زیادہ سادہ لوحوں کو برباد کر دیا ہے۔ یہ ہے کہ جب تک کسی اصل یا فرع کا قطعی طور پر فیصلہ نہ ہو جائے۔ اور بکلی اس کا انکشاف نہ ہو جائے۔ تب تک اس کو ہرگز ماننا نہیں چاہئے۔ گو خدا ہو یا کوئی اور چیز ہو۔ ان میں سے اعلیٰ درجہ کے اور کامل فلاسفر جنہوں نے ان اصولوں کی پابندی اختیار کی تھی۔ انہوں نے اپنا نام محققین رکھا۔ جن کا دوسرا نام دہریہ بھی ہے۔ ان کامل فلاسفروں کا بہ پابندی اپنے اصول قدیمہ کے یہ مذہب رہا ہے کہ چونکہ خدا تعالیٰ کا وجود قطعی طور پر بذریعہ عقل ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہم نے اس کو بچشم خود دیکھا اس لئے ایسے خدا کا ماننا ایک امر مظنون اور مشتبہ کا مان لینا ہے۔ جو اصول متقررہ فلسفہ سے بکلی بعید ہے۔ سو انہوں نے اپنے ہی خدا تعالیٰ کو درمیان سے اڑا دیا۔ پھر فرشتوں کا یوں فیصلہ کیا کہ یہ بھی خدا تعالیٰ کی طرح نظر نہیں آتے۔ چلو یہ بھی درمیان سے اٹھاؤ۔ پھر روحوں کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ رائے ظاہر کی کہ ہم کوئی ثبوت قابل اطمینان اس بات پر نہیں دیکھتے کہ بعد مرنے کے روح باقی رہ جاتی ہے۔ نہ کوئی روح نظر آتی ہے اور نہ واپس آکر اپنا کوئی قصہ سناتی ہے۔ بلکہ سب روحیں مفارقت بدن کے بعد خدا اور فرشتوں کی طرح بے اثر اور بے نشان ہیں سو ان کا بھی ماننا خلاف دلیل و برہان ہے۔ ان سب فیصلوں کے بعد ان کی نظر عمیق نے تکالیف (دینیہ) کی مشقت اور حلال حرام کا فرق اصول فلسفہ کا سخت مخالفت سمجھا۔ اس لئے انہوں نے صاف صاف اپنی رائے ظاہر کر دی کہ ماں اور بہن اور جورو میں فرق کرنا یا اور چیزوں میں سے بلا ثبوت ضرر طبعی بعض چیزوں کو حرام سمجھ لینا یہ سب بناوٹی باتیں ہیں۔ جن پر کوئی فلسفی دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ ننگا رہنے میں کوئی شناعت عقلی ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس میں طبی قواعد کی رو سے فوائد ہیں اسی طرح ان فلاسفروں کے اور بھی مسائل ہیں۔ اور خلاصہ ان کے مذہب کا یہی ہے۔ کہ وہ بجز دلائل قطعیہ عقلیہ کے کسی چیز کو نہیں مانتے۔ اور ان کی فلسفیانہ نگاہ میں وہ کیسی کوئی بد عملی ہو جب تک براہین قطعیہ فلسفیہ سے اس کا بد ہونا ثابت نہ ہو لے۔ یعنی جب تک اس میں کوئی طبی ضرر یا دنیوی بد انتظامی متصور نہ ہو تب اس کا ترک کرنا بے جا ہے۔ مگر جو دوسرے درجہ کے فلاسفر ہیں۔ انہوں نے لوگوں کے لعن طعن سے اندیشہ کر کے اپنے فلاسفری اصولوں کو کچھ نرم کر دیا ہے۔ اور قوم کے خوف اور ہم جنسوں کی شرم سے خدا اور عالم جزاء اور دوسروں کی باتوں کو ظنی طور پر تسلیم کر بیٹھے ہیں لیکن یہ اعلیٰ درجہ کے فلاسفر ان کو سخت نالائق اور بد فہم اور غبی الطبع اور بزدل اور اپنی سوسائٹی کے بدنام کنندہ خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے فلاسفر ہونے کا دعویٰ تو کیا۔ لیکن اصول فلسفہ پر جیسا کہ حق چلنے کا تھا نہیں چلے۔ اس لئے اول درجہ کے فلاسفر اس بات سے عار رکھتے ہیں کہ ان ناقصوں کو فلاسفر کے باعزت لفظ سے مخاطب یا موسوم کیا جائے۔

جذب و سلوک

جذب و سلوک کے متعلق حضور نے فرمایا۔

بعض اشخاص ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے مدارج میں کسب اور سلوک اور مجاہدے کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کی شکم مادر میں ہی ایک ایسی بناوٹ ہوتی ہے کہ فطرتاً بغیر ذریعہ کسب اور سعی اور مجاہدہ کے وہ خدا سے محبت کرتے ہیں۔ اور اس کے رسول یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ ایسا ان کو روحانی تعلق ہو جاتا ہے جس سے بڑھ کر ممکن نہیں اور پھر جیسا جیسا زمانہ ان پر گزرتا ہے وہ اندرونی آگ عشق اور محبت الٰہی کی بڑھتی جاتی ہے۔ اور ساتھ ہی محبت رسول کی آگ ترقی پکڑتی ہے۔ اور ان تمام امور میں خدا ان کا متولی اور متکفل ہوتا ہے۔ اور جب وہ محبت اور عشق کی آگ انتہا تک پہنچ جاتی ہے تب وہ نہایت بے قراری اور دردمندی سے چاہتے ہیں کہ خدا کا جلال زمین پر ظاہر ہو اور اسی میں ان کی لذت اور یہی ان کا آخری مقصد ہوتا ہے تب ان کے لئے زمین پر خدا تعالیٰ کے نشان ظاہر ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ کسی کے لئے اپنے عظیم الشان نشان ظاہر نہیں کرتا اور کسی کو آئندہ زمانہ کی عظیم الشان خبریں نہیں دیتا مگر انہیں جو اس کے عشق اور محبت میں محو ہوتے ہیں اور اس کی توحید اور جلال کے ظاہر ہونے کے ایسے خواہاں ہوتے ہیں۔ جیسا کہ وہ خود ہوتا ہے۔ یہ بات انہی سے مخصوص ہے کہ حضرت الوہیت کے خاص اثرات ان پر ظاہر ہوتے ہیں اور غیب کی باتیں کمال صفائی سے ان پر منکشف کی جاتی ہیں اور یہ خاص عزت دوسرے کو نہیں دی جاتی۔

صوفیوں نے ترقیات کی دو راہیں لکھی ہیں۔ ایک سلوک اور دوسرا جذب۔ سلوک وہ ہے جو لوگ آپ عقلمندی سے سوچ کر اللہ اور رسول کی راہ اختیار کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا یعنی اگر تم اللہ کے پیارے بننا چاہتے ہو۔ تو رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرو۔ وہ ہادی کامل۔ وہی رسول ہے جنہوں نے وہ مصائب اٹھائے کہ دنیا اپنے اندر نظیر نہیں رکھتی۔ ایک دن بھی آرام نہ پایا۔ اب پیروی کرنے والے بھی حقیقی طور سے وہی ہوں گے جو اپنے متبوع کے ہر قول و فعل کی پیروی پوری جدوجہد سے کریں۔ متبع وہی ہے جو سب طرح پیروی کرے گا۔ سہل انگار اور سخت گزار کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے غضب میں آوے گا۔ یہاں جو اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی پیروی کا حکم دیا تو سالک کا کام یہ ہونا چاہئے کہ اول رسول اکرم ﷺ کی مکمل تاریخ دیکھے اور پھر پیروی کرے اسی کا نام سلوک ہے۔ اس راہ میں بہت مصائب و شدائد ہوتے ہیں ان سب کو اٹھانے کے بعد ہی انسان سالک ہو جاتا ہے۔

اہل جذب کا درجہ سالکوں سے بڑھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں سلوک کے درجے پر ہی نہیں رکھتا بلکہ خود ان کو مصائب میں ڈالتا اور جاذبہ ازلی سے اپنی طرف کھینچتا ہے۔ کل انبیاء مجذوب ہی تھے۔ جس وقت انسانی روح کو مصائب کا مقابلہ ہوتا ہے ان سے فرسودہ کار اور تجربہ کار ہو کر روح چمک اٹھتی ہے۔ جیسے کہ لوہا یا شیشہ اگرچہ چمک کا مادہ اپنے اندر رکھتا ہے لیکن صیقلوں کے بعد ہی مجلی ہوتا ہے حتی کہ اس میں منہ دیکھنے والے کا منہ نظر آ جاتا ہے۔ مجاہدات بھی صیقل کا ہی کام کرتے ہیں۔ دل کا صیقل یہاں تک ہونا چاہئے کہ اس میں بھی منہ نظر آ جائے۔ منہ کا نظر آنا کیا ہے۔ (اللہ تعالیٰ کے اخلاق جیسے اخلاق اپنے اندر پیدا کرنا) کا مصداق ہونا۔ سالک کا دل آئینہ ہے۔ جس کو مصائب شدائد اس قدر صیقل کر دیتے ہیں کہ اخلاق النبی اس میں منعکس ہو جاتے ہیں اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب بہت مجاہدات اور تزکیوں کے بعد اس کے اندر کسی قسم کی کدورت یا کثافت نہ رہے۔ تب یہ درجہ نصیب ہوتا ہے۔ ہر ایک مومن کو ایک حد تک ایسی صفائی کی ضرورت ہے۔ کوئی مومن بلا آئینہ ہونے کے نجات نہ پائے گا۔ سلوک والا خود یہ صیقل کرتا ہے۔ اپنے کام سے مصائب اٹھاتا ہے لیکن جذب والا مصائب میں ڈالا جاتا ہے۔ خدا خود اس کا مصقل ہوتا ہے۔ اور طرح طرح کے مصائب و شدائد سے صیقل کر کے اس کو آئینہ کا درجہ عطا کر دیتا ہے دراصل سالک و مجذوب دونوں کا ایک ہی نتیجہ ہے۔ سو متقی کے دو حصے ہیں سلوک و جذب۔

مذہب کی بنیاد

میں ان خشک فلسفیوں کو جو عشق الٰہی اور اس کی بزرگ ذات کی قدر شناسی سے غافل ہیں جہاں تک مجھے طاقت عقلی دی گئی ہے بدلائل شافیہ راہ راست کی طرف پھیرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں ان کی روحانی زندگی بہت ہی کمزور ہو گئی ہے اور ان کی بے جا آزادی اور ضعف ایمان نے بہت ہی برا اثر ان کے ارادت باطنی اور ان کی دینی اولوالعزمی اور ان کی اندرونی حالت پر ڈالا ہے۔ اور عجیب طور پر انہوں نے ضلالت کو صداقت کے ساتھ ملا دیا ہے۔ مذہب وہ چیز ہے جس کی برکات کی اصل جڑ ایمان و اعتبار و حسن اعتقاد و حسن ظن و اطاعت و اتباع مخبر صادق و کلام الٰہی ہے۔ لیکن وہ لوگ اپنے غلط فلسفہ کی وجہ سے مذہب کی حقیقت کچھ اور ہی سمجھ رہے ہیں۔ سو انہیں لازم ہے کہ تعصب و خودپسندی کے شور و غوغا سے اپنے تئیں الگ کر کے سیدھی نظر اور سیدھے خیال سے اس سوال پر غور کریں کہ ایمان کیا شئے ہے۔ اور اس پر ثواب مترتب ہونے کی کیوں امید کی جاتی ہے۔ سو جاننا چاہئے کہ ایمان اس اقرار لسانی

اور تصدیق قلبی سے مراد ہے جو تبلیغ و پیغام کسی نبی کی نسبت محض تقویٰ اور دور اندیشی کے لحاظ سے صرف نیک ظنی کی بنیاد پر یعنی بعض وجوہ کو معتبر سمجھ کر اور اس طرف غلبہ اور رجحان پا کر بغیر انتظار کامل اور قطعی اور واشگاف ثبوت کے دلی انشراح سے قبولیت و تسلیم ظاہر کی جائے۔ لیکن جب ایک خبر کی صحت پر وجوہ کاملہ قیاسیہ اور دلائل کافیہ عقلیہ مل جائیں تو اس بات کا نام ایقان ہے۔ جس کو دوسرے لفظوں میں علم الیقین کہتے ہیں۔ اور جب خدا تعالیٰ خود اپنے خاص جذبہ اور موہبت سے خارق عادت کے طور پر انوار ہدایت کھولے اور اپنے اعلاو نعماء سے آشنا کرے اور لدنی طور پر عقل اور علم عطا فرمائے اور ساتھ اس کے ابواب کشف اور الہام بھی منکشف کر کے عجائبات الوہیت کا سیر کراوے۔ اور اپنے محبوبانہ حسن و جمال پر اطلاع بخشے تو اس مرتبہ کا نام عرفان ہے۔ جس کو دوسرے لفظوں میں عین الیقین اور ہدایت اور بصیرت کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ اور جب ان تمام مراتب کی شدت کے اثر سے عارف کے دل میں ایک ایسی کیفیت حالی عشق اور محبت کے باذنہ تعالیٰ پیدا ہو جائے کہ تمام وجود عارف کا اس کی لذت سے بھر جاوے اور آسمانی انوار اس کے دل پر بکلی احاطہ کر کے ہر یک ظلمت و قبض کو درمیان سے اٹھا دیں یہاں تک کہ بوجہ کمال رابطہ عشق و محبت و بباعث انتہائی جوش صدق و صفا کے بلا اور مصیبت بھی محسوس اللذت اور مدرک اور ذوالحلاوت ہو تو اس درجے کا نام اطمینان ہے جس کو دوسرے لفظوں میں حق الیقین اور فلاح اور نجات سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ مگر یہ سب مراتب ایمانی مرتبہ کے بعد ملتے ہیں۔ اور اس پر مترتب ہوتے ہیں۔ جو شخص اپنے ایمان میں قوی ہوتا ہے وہ رفتہ رفتہ ان مراتب کو پا لیتا ہے۔ لیکن جو شخص ایمانی طریق کو اختیار نہیں کرتا اور ہر یک صداقت کے قبول کرنے سے اول قطعی اور یقینی اور نہایت واشگاف ثبوت مانگتا ہے اس کی طبیعت کو اس راہ سے کچھ مناسبت نہیں۔ اور وہ اس لائق ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس قادر غنی بے نیاز کے فیوض حاصل کرے۔ عادت اللہ قدیم سے اسی طرح پر جاری ہے۔ اور یہ اسی فن علم الٰہی کا ایک نہایت باریک نکتہ ہے جس پر سعادت مندوں کو غور کرنا چاہئے۔ کہ ہمیشہ ثواب اور فیضان سماوی ایمان پر ہی مترتب ہوتا ہے۔ اس راہ کا سچا فلسفہ یہی ہے کہ انسان دین کو قبول کرنے کی ابتدائی حالت میں اس بے نیاز مطلق اور اس کی قدرت اور اس کے وعدہ اور وعید اور اس کے اخبار و اثرات کے ماننے میں لمبے لمبے انکاروں سے مجتنب رہے کیونکہ ایمانی صورت کے قائم رکھنے کے لئے بھی جس پر تمام ثواب وابستہ ہے ضرور تھا کہ خدائے تعالیٰ امور ایمانیہ کو ایسا منتشر نہ کرتا کہ وہ دوسرے بدیہات کی طرح ہر یک عام اور خاص کی نظر میں مسلم الوجود ہو جاتیں۔

معرفت تامہ

ایمان اس بات کو کہتے ہیں کہ اس حالت میں مان لینا جب کہ ابھی علم کمال تک نہیں پہنچا۔ اور شکوک و شبہات سے ہنوز لڑائی ہے۔ پس جو شخص ایمان لاتا ہے یعنی باوجود کمزوری اور نہ مہیا ہونے کوئی اسباب یقین کے اس بات کو اغلب احتمال کی وجہ سے قبول کر لیتا ہے وہ حضرت احدیت میں صادق اور راست باز شمار کیا جاتا ہے۔ اور پھر اس کو موہبت کے طور پر معرفت تامہ حاصل ہوتی ہے۔ اور ایمان کے بعد عرفان کا جام اس کو پلایا جاتا ہے۔ اسی لئے ایک مرد متقی کا رسولوں اور نبیوں اور مامورین من اللہ کی دعوت کو سن کر ہر ایک پہلو پر ابتدائے امر میں ہی حملہ کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ وہ حصہ جو کسی مامور من اللہ کے منجانب اللہ ہونے پر بعض صاف اور کھلے کھلے دلائل سے سمجھ آ جاتا ہے۔ اسی کو اپنے اقرار اور ایمان کا ذریعہ ٹھہرا لیتا ہے۔ اور وہ حصہ جو سمجھ نہیں آتا اس میں سنت صالحین کے طور پر استعارات اور مجازات قرار دیتا ہے اور اسی طرح تناقص درمیان سے اٹھا کر صفائی اور اخلاص کے ساتھ ایمان لے آتا ہے۔ تب خدا تعالیٰ اس کی حالت پر رحم کر کے اور اس کے ایمان پر راضی ہو کر اور اس کی دعاؤں کو سن کر معرفت تامہ کا دروازہ اس پر کھولتا ہے۔ اور الہام اور کشوف کے ذریعہ سے اور دوسرے آسمانی نشانوں کے وسیلہ سے یقین کامل تک اس کو پہنچاتا ہے۔

انسان کی طبعی اخلاقی اور روحانی حالتیں

واضح ہو کہ پہلا سوال انسان کی طبعی اور اخلاقی اور روحانی حالتوں کے بارے میں ہے سو جاننا چاہئے کہ خدائے تعالیٰ کے پاک کلام (۔) نے ان تینوں حالتوں کی اس طرح تقسیم کی ہے کہ ان تینوں کے علیحدہ علیحدہ تین مبداء ٹھہرائے ہیں یا یوں کہو کہ تین سرچشمے قرار دیئے ہیں جن میں سے جدا جدا یہ حالتیں نکلتی ہیں۔

پہلا سرچشمہ جو تمام طبعی حالتوں کا مورد اور مصدر ہے اس کا نام (کلام الٰہی) نے نفس امارہ رکھا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ (۔) یعنی نفس امارہ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ انسان کو بدی کی طرف جو اس کے کمال کے مخالف اور اس کی اخلاقی حالتوں کے برعکس ہے جھکاتا ہے اور ناپسندیدہ اور بد راہوں پر چلانا چاہتا ہے۔ غرض بے اعتدالیوں اور بدیوں کی طرف جانا انسان کی ایک حالت ہے جو اخلاقی حالت سے پہلے اس پر طبعاً غالب ہوتی ہے اور یہ حالت اس وقت تک طبعی حالت کہلاتی ہے جب تک کہ انسان عقل اور معرفت کے زیر سایہ نہیں چلتا بلکہ چارپایوں کی طرح کھانے پینے سونے جاگنے یا غصہ اور جوش دکھانے وغیرہ امور میں طبعی جذبات کا پیرو رہتا ہے اور جب انسان عقل اور معرفت کے مشورہ سے طبعی حالتوں میں تصرف کرتا اور اعتدال مطلوب کی رعایت رکھتا ہے اس وقت ان تینوں حالتوں کا نام طبعی حالتیں نہیں رہتا بلکہ اس وقت یہ حالتیں اخلاقی حالتیں کہلاتی ہیں جیسا کہ آگے بھی کچھ ذکر اس کا آئے گا۔

اور اخلاقی حالتوں کے سرچشمہ کا نام قرآن شریف میں نفس لوامہ ہے۔ جیسا کہ وہ قرآن شریف میں فرماتا ہے (۔) یعنی میں اس نفس کی قسم کھاتا ہوں جو بدی کے کام اور ہر ایک بے اعتدالی پر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے۔ یہ نفس لوامہ انسانی حالتوں کا دوسرا سرچشمہ ہے جس سے اخلاقی حالتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور اس مرتبہ پر انسان دوسرے حیوانات کی مشابہت سے نجات پاتا ہے۔ اور اس جگہ نفس لوامہ کی قسم کھانا اس کو عزت دینے کے لئے ہے۔ گویا وہ نفس امارہ سے نفس لوامہ بن کر بوجہ اس ترقی کے جناب الٰہی میں عزت پانے کے لائق ہو گیا۔ اور اس کا نام لوامہ اس لئے رکھا کہ وہ انسان کو بدی پر ملامت کرتا ہے اور اس بات پر راضی نہیں ہوتا کہ انسان اپنے طبعی لوازم میں شتر بے مہار کی طرح چلے اور چارپایوں کی زندگی بسر کرے بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اس سے اچھی حالتیں اور اچھے اخلاق صادر ہوں اور انسانی زندگی کے تمام لوازم میں کوئی بے اعتدالی ظہور میں نہ آوے اور طبعی جذبات اور طبعی خواہشیں عقل کے مشورہ سے ظہور پذیر ہوں۔ پس چونکہ وہ بری حرکت پر ملامت کرتا ہے اس لئے اس کا نام نفس لوامہ ہے یعنی بہت ملامت کرنے والا۔ اور نفس لوامہ اگرچہ طبعی جذبات پسند نہیں کرتا بلکہ اپنے تئیں ملامت کرتا رہتا ہے لیکن نیکیوں کے بجالانے پر پورے طور سے قادر بھی نہیں ہو سکتا اور کبھی نہ کبھی طبعی جذبات اس پر غلبہ کر جاتے ہیں۔ تب گر جاتا ہے اور ٹھوکر کھاتا ہے۔ گویا وہ ایک کمزور بچہ کی طرح ہوتا ہے جو گرنا نہیں چاہتا ہے مگر کمزوری کی وجہ سے گرتا ہے۔ پھر اپنی کمزوری پر نادم ہوتا ہے۔ غرض یہ نفس کی وہ اخلاقی حالت ہے جب نفس اخلاق فاضلہ کو اپنے اندر جمع کرتا ہے۔ اور سرکشی سے بیزار ہوتا ہے۔ مگر پورے طور پر غالب نہیں آسکتا۔

پھر ایک تیسرا سرچشمہ ہے جس کو روحانی حالتوں کا مبداء کہنا چاہئے اس سرچشمہ کا نام (کلام الٰہی) نے نفس مطمئنہ رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے (۔) اے نفس آرام یافتہ جو خدا سے آرام پا گیا۔ اپنے خدا کی طرف واپس چلا آ۔ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی. پس میرے بندوں میں مل جا اور میرے بہشت کے اندر آجا۔

یہ وہ مرتبہ ہے جس میں نفس تمام کمزوریوں سے نجات پا کر روحانی قوتوں سے بھر جاتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ سے ایسا پیوند کر لیتا ہے کہ بغیر اس کے جی بھی نہیں سکتا اور جس طرح پانی اوپر سے نیچے کی طرف بہتا ہے اور بسبب اپنی کثرت اور نیز روکوں کے دور ہونے سے بڑے زور سے چلتا ہے اسی طرح وہ خدا کی طرف بہتا چلا جاتا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے وہ نفس جو خدا سے آرام پا گیا اس کی طرف واپس چلا آ۔ پس وہ اسی زندگی میں نہ موت کے بعد ایک عظیم الشان تبدیلی پیدا کرتا ہے اور اسی دنیا میں نہ دوسری جگہ ایک بہشت اس کو ملتا ہے۔ اور جیسا کہ اس آیت میں لکھا ہے کہ اپنے رب کی طرف یعنی پرورش کرنے والے کی طرف واپس آ۔ ایسا ہی اس وقت یہ خدا سے پرورش پاتا ہے اور خدا کی محبت اس کی غذا ہوتی ہے اور اسی زندگی بخش چشمہ سے پانی پیتا ہے اس لئے موت سے نجات پاتا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ (۔) فرماتا ہے (۔) یعنی جس نے ارضی جذبات سے اپنے نفس کو پاک کیا وہ بچ گیا۔ اور نہیں ہلاک ہو گا۔ مگر جس نے ارضی جذبات میں جو طبعی جذبات ہیں اپنے تئیں چھپا دیا۔ وہ زندگی سے ناامید ہو گیا۔

غرض یہ تین حالتیں ہیں جن کو دوسرے لفظوں میں طبعی اور اخلاقی اور روحانی حالتیں کہہ سکتے ہیں۔ اور چونکہ طبعی تقاضے افراط کے وقت بہت خطرناک ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات اخلاق اور روحانیت کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ کی پاک کتاب میں ان کو نفس امارہ کی حالتوں سے موسوم کیا گیا ہے۔ اگر یہ سوال ہو کہ انسان کی طبعی حالتوں پر (کلام الٰہی) کا کیا اثر

ہے اور وہ ان کی نسبت کیا ہدایت دیتا ہے۔ اور عملی طور پر کس حد تک ان کو رکھنا چاہتا ہے۔ تو واضح ہو کہ (کلام الٰہی) کی رُو سے انسان کی طبعی حالتوں کو اس کی اخلاقی اور روحانی حالتوں سے نہایت ہی شدید تعلقات واقع ہیں۔ یہاں تک کہ انسان کے کھانے پینے کے طریقے بھی انسان کی اخلاقی اور روحانی حالتوں پر اثر کرتے ہیں۔ اور اگر ان طبعی حالتوں سے شریعت کی ہدایتوں کے موافق کام لیا جاوے۔ تو جیسا کہ نمک کی کان میں پڑ کر ہر ایک چیز نمک ہی ہو جاتی ہے۔ ایسا ہی یہ تمام حالتیں اخلاقی ہی ہو جاتی ہیں اور روحانیت پر نہایت گہرا اثر کرتی ہیں۔ اسی واسطے قرآن شریف نے تمام عبادات اور اندرونی پاکیزگی کی اغراض کو خشوع خضوع کے مقاصد میں جسمانی طہارتوں اور جسمانی آداب اور جسمانی تعدیل کو بہت ملحوظ رکھا ہے۔ اور غور کرنے کے وقت یہی فلاسفی نہایت صحیح معلوم ہوتی ہے کہ جسمانی اوضاع کا روح پر بہت قوی اثر ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے طبعی افعال گو بظاہر جسمانی ہیں مگر ہماری روحانی حالتوں پر ضرور ان کا اثر ہے۔ مثلاً جب ہماری آنکھیں رونا شروع کر دیں اور گو تکلف سے ہی روئیں مگر فی الفور ان آنسوؤں کا ایک شعلہ اٹھ کر دل پر جا پڑتا ہے۔ تب دل بھی آنکھوں کی پیروی کر کے غمگین ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی جب ہم تکلف سے ہنسنا شروع کریں تو دل میں ایک انبساط پیدا ہو جاتا ہے یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ جسمانی سجدہ بھی روح میں خشوع اور عاجزی کی حالت پیدا کرتا ہے۔ اس کے مقابل پر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جب ہم گردن اونچی کھینچ کر اور چھاتی کو ابھار کر چلیں تو یہ وضع رفتار ہم میں ایک قسم کا تکبر اور خود بینی پیدا کرتی ہے تو ان نمونوں سے پورے انکشاف کے ساتھ کُھل جاتا ہے کہ بے شک جسمانی اوضاع کا روحانی حالتوں پر اثر ہے۔

(.......اصول کی فلاسفی صفحہ ۲ تا ۶)

طبعی حالتیں جن کا سرچشمہ اور مبداء نفس امارہ ہے خدا تعالیٰ کے پاک کلام کے ارشادات کے موافق اخلاقی حالتوں سے کوئی الگ چیز نہیں ہے۔ کیونکہ خدا کے پاک کلام نے تمام نیچرل قویٰ اور جسمانی خواہشوں اور تقاضوں کو طبعی حالات کی مد میں رکھا ہے اور وہی طبعی حالتیں ہیں جو بالارادہ ترتیب اور تعدیل اور موقع بینی اور محل پر استعمال کرنے کے بعد اخلاق کا رنگ پکڑ لیتی ہیں۔ ایسا ہی اخلاقی حالتیں روحانی حالتوں سے کوئی الگ باتیں نہیں ہیں بلکہ وہی اخلاقی حالتیں ہیں جو پورے فنا فی اللہ اور تزکیہ نفس اور پورے انقطاع الی اللہ اور پوری محبت اور پوری محویت اور پوری سکینت اور اطمینان اور پوری موافقت باللہ سے روحانیت کا رنگ پکڑ لیتی ہیں۔ طبعی حالتیں جب تک اخلاقی رنگ میں نہ آئیں کسی طرح انسان کو قابل تعریف نہیں بناتیں کیونکہ وہ دوسرے حیوانات بلکہ جمادات میں بھی پائی جاتی ہیں ایسا ہی مجرد اخلاق کا حاصل کرنا بھی انسان کو روحانی زندگی نہیں بخشتا بلکہ ایک شخص خدا تعالیٰ کے وجود سے ہی منکر رہ کر اچھے اخلاق دکھلا سکتا ہے۔ دل کا غریب ہونا یا دل کا حلیم ہونا یا صلحکار ہونا یا ترک شر کرنا اور شریر کے مقابلہ پر نہ آنا یہ تمام طبعی حالتیں ہیں اور ایسی باتیں ہیں جو ایک نااہل کو بھی حاصل ہو سکتی ہیں جو اصل سرچشمہ نجات سے بے نصیب اور ناآشنا محض ہے اور بہت سے چارپائے غریب بھی ہوتے ہیں اور ملنے اور خو پذیر ہونے سے صلحکاری بھی دکھلاتے ہیں۔ سونٹے پر سونٹا مارنے سے کوئی مقابلہ نہیں کرتے مگر پھر بھی ان کو انسان نہیں کہہ سکتے چہ جائیکہ ان خصلتوں سے وہ اعلیٰ درجہ کے انسان بن سکیں۔ ایسا ہی بد سے بد عقیدہ والا بلکہ بعض بدکاریوں کا مرتکب ان باتوں کا پابند ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ انسان رحم میں اس حد تک پہنچ جاوے کہ اگر اس کے اپنے ہی زخم میں کیڑے پڑیں ان کو بھی قتل کرنا روا نہ رکھے اور جانداروں کی پاسداری اس قدر کرے کہ جوئیں جو سر میں پڑتی ہیں یا وہ کیڑے جو پیٹ اور انتڑیوں میں اور دماغ میں پیدا ہوتے ہیں ان کو بھی آزار دینا نہ چاہے بلکہ میں قبول کر سکتا ہوں کہ کسی کا رحم اس حد تک پہنچے کہ وہ شہد کھانا ترک کر دے کیونکہ وہ بہت سی جانوں کو تلف ہونے اور غریب مکھیوں کو ان کے استھان سے پراگندہ کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اور میں مانتا ہوں کہ کوئی مشک سے بھی پرہیز کرے کیونکہ وہ غریب ہرن کا خون ہے اور اس غریب کو قتل کرنے اور بچوں سے جدا کرنے کے بعد میسر آ سکتا ہے۔ ایسا ہی مجھے اس سے بھی انکار نہیں کہ کوئی موتیوں کے استعمال کو بھی چھوڑ دے اور ابریشم کو پہننا بھی ترک کرے کیونکہ یہ دونوں غریب کیڑوں کے ہلاک کرنے سے ملتے ہیں۔ بلکہ میں یہاں تک مانتا ہوں کہ کوئی شخص دکھ کے وقت جونکوں کے لگانے سے بھی پرہیز کرے اور آپ دکھ اٹھا لے اور غریب جونک کی موت کا خواہاں نہ ہو۔ بالآخر اگر کوئی مانے یا نہ مانے مگر میں مانتا ہوں کہ کوئی شخص اس قدر رحم کو کمال کے نقطہ تک پہنچاوے کہ پانی کے کیڑوں کو بچانے کے لئے اپنے تئیں ہلاک کر لے۔ میں یہ سب کچھ قبول کرتا ہوں۔ لیکن میں ہرگز قبول نہیں کر سکتا کہ یہ تمام طبعی حالتیں اخلاق کہلا سکتی ہیں۔ یا صرف انہی سے وہ اندرونی گند دھوئے جا سکتے ہیں جن کا وجود خدا تعالیٰ کے ملنے کی روک ہے۔ میں کبھی باور نہیں کروں گا کہ اس طرح غریب اور بے آزار بننا جس میں بعض چارپایوں اور پرندوں کا کچھ نمبر بڑھا ہوا ہے اعلیٰ انسانیت کے حصول کا موجب ہو سکتا ہے۔ بلکہ میرے نزدیک یہ قانون قدرت سے لڑائی ہے اور رضا کے بھاری خلق کے برخلاف اور اس نعمت کو رد کرنا ہے۔ جو قدرت نے ہم کو عطا کی ہے بلکہ وہ روحانیت ہر ایک خلق کو محل اور موقعہ پر استعمال کرنے کے بعد اور پھر خدا کی راہوں میں وفاداری کے ساتھ قدم مارنے سے اور اسی کا ہو جانے سے ملتی ہے۔ جو اس کا ہو جاتا ہے اس کی یہی نشانی ہے کہ وہ اس کے بغیر جی ہی نہیں سکتا۔ عارف ایک مچھلی ہے جو خدا کے ہاتھ سے ذبح کی گئی اور اس کا پانی خدا کی محبت ہے۔

(.......اصول کی فلاسفی صفحہ ۱۱ تا ۱۳)

میں ابھی ذکر کر چکا ہوں کہ انسانی حالتوں کے سرچشمے تین ہیں یعنی نفس امارہ نفس لوامہ نفس مطمئنہ۔ اور طریق اصلاح کے بھی تین ہیں۔

اول یہ کہ بے تمیز وحشیوں کو اس ادنیٰ خلق پر قائم کیا جائے کہ وہ کھانے پینے اور شادی وغیرہ تمدنی امور میں انسانیت کے طریقے پر چلیں۔ نہ ننگے پھریں اور نہ کتوں کی طرح مردار خوار ہوں اور نہ کوئی بے تمیزی ظاہر کریں۔ یہ طبعی حالتوں کی اصلاحوں میں سے ادنیٰ درجہ کی اصلاح ہے یہ اس قسم کی اصلاح ہے کہ اگر مثلاً پورٹ بلیر کے جنگلی آدمیوں میں سے کسی آدمی کو انسانیت کے لوازم سکھانا ہو تو پہلے ادنیٰ ادنیٰ اخلاق انسانیت اور طریق ادب کی ان کو تعلیم دی جائے۔

دوسرا طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جب کوئی ظاہری آداب انسانیت کے حاصل کر لیوے تو اس کو بڑے بڑے اخلاق انسانیت کے سکھلائے جائیں اور انسانی قویٰ میں جو کچھ بھرا پڑا ہے ان سب کو محل اور موقعہ پر استعمال کرنے کی تعلیم دی جائے۔

تیسرا طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جو لوگ اخلاق فاضلہ سے متصف ہو گئے ہیں ایسے خشک زاہدوں کو شربت محبت اور وصل کا مزہ چکھایا جائے۔ یہ تین اصلاحیں ہیں جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہیں۔

(.......اصول کی فلاسفی صفحہ ۱۳ تا ۱۴)

عوام الناس خیال کرتے ہیں کہ خلق صرف حلیمی اور نرمی اور انکساری کا نام ہے۔ یہ ان کی غلطی ہے بلکہ جو کچھ بمقابلہ ظاہری اعضاء کے باطن میں انسانی کمالات کی کیفیتیں رکھی گئی ہیں ان سب کیفیتوں کا نام خلق ہے۔ مثلاً انسان آنکھ سے روتا ہے اور اس کے مقابل پر دل میں ایک قوت رقت ہے وہ جب بذریعہ عقل خداداد کے اپنے محل پر مستعمل ہو تو وہ ایک خلق ہے ایسا ہی انسان ہاتھوں سے دشمن کا مقابلہ کرتا ہے اور اس حرکت کے مقابلہ میں دل میں ایک قوت ہے جس کو شجاعت کہتے ہیں۔ پس جب انسان محل پر اور موقعہ کے لحاظ سے اس قوت کو استعمال میں لاتا ہے تو اس کا نام بھی خلق ہے۔ اور ایسا ہی انسان کبھی ہاتھوں کے ذریعہ سے مظلوموں کو ظالموں سے بچانا چاہتا ہے یا ناداروں اور بھوکوں کو کچھ دینا چاہتا ہے یا کسی اور طرح سے بنی نوع کی خدمت کرنا چاہتا ہے۔ اور اس حرکت کے مقابل پر دل میں ایک قوت ہے جس کو رحم بولتے ہیں۔ اور کبھی انسان اپنے ہاتھوں کے ذریعہ سے ظالم کو سزا دیتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پر دل میں ایک قوت ہے جس کو انتقام کہتے ہیں۔ اور کبھی انسان حملہ کے مقابلہ پر حملہ نہیں کرنا چاہتا اور ظالم کے ظلم سے درگذر کرتا ہے۔ اور اس حرکت کے مقابلہ پر دل میں ایک قوت ہے جس کو عفو اور صبر کہتے ہیں اور کبھی انسان بنی نوع کو فائدہ پہنچانے کے لئے اپنے ہاتھوں سے کام لیتا ہے یا پیروں سے یا دل اور دماغ سے اور ان کی بہبودی کے لئے اپنا سرمایہ خرچ کرتا ہے تو اس حرکت کے مقابلہ پر دل میں ایک قوت ہے جس کو سخاوت کہتے ہیں۔ پس جب انسان ان تمام قوتوں کو موقع اور محل کے لحاظ سے استعمال کرتا ہے تو اس وقت اس کا نام خلق رکھا جاتا ہے۔

(........اصول کی فلاسفی صفحہ نمبر ۱۸-۱۹)

طبعی حالات اخلاقی حالات سے کچھ الگ چیز نہیں بلکہ وہی حالات ہیں جو تعدیل اور موقع اور محل پر استعمال کرنے سے اور عقل کی تجویز اور مشورہ سے کام میں لانے سے اخلاقی حالات کا رنگ پکڑ لیتے ہیں۔ اور قبل اس کے کہ وہ عقل اور معرفت کی اصلاح اور مشورہ سے صادر ہوں گو وہ کیسے ہی اخلاق سے مشابہ ہوں درحقیقت اخلاق نہیں ہوتے بلکہ طبیعت کی ایک بے اختیار رفتار ہوتی ہے۔ جیسا کہ اگر ایک کتے یا ایک بکری سے اپنے مالک کے ساتھ محبت یا انکسار ظاہر ہو تو اس کتے کو خلیق نہیں کہیں گے اور نہ اس بکری کا نام مہذب الاخلاق رکھیں گے۔ اسی طرح ہم ایک بھیڑیئے یا شیر کو ان کی درندگی کی وجہ

سے بد خلق نہیں سمجھیں گے بلکہ جیسا کہ ذکر کیا گیا اخلاقی حالت محل اور سوچ اور وقت شناسی کے بعد شروع ہوتی ہے اور ایک ایسا انسان جو عقل اور تدبیر سے کام نہیں لیتا وہ ان شیر خوار بچوں کی طرح ہے جن کے دل اور دماغ پر ہنوز قوت عقلیہ کا سایہ نہیں پڑا یا ان دیوانوں کی طرح ہے جو جوہر عقل اور دانش کو کھو بیٹھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو شخص بچہ شیر خوار اور دیوانہ ہو وہ ایسی حرکات بعض اوقات ظاہر کرتا ہے کہ جو اخلاق کے ساتھ مشابہ ہوتی ہیں مگر کوئی عقلمند ان کا نام اخلاق نہیں رکھ سکتا کیونکہ وہ حرکتیں تمیز اور موقعہ بینی کے چشمے سے نہیں نکلتیں۔ بلکہ وہ طبعی طور پر تحریکوں کے پیش آنے کے وقت صادر ہو جاتی ہیں جیسا کہ انسان کا بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کی چھاتیوں کی طرف رخ کرتا ہے اور ایک مرغ کا بچہ پیدا ہوتے ہی دانہ چگنے کے لئے دوڑتا ہے۔ جونک کا بچہ جونک کی عادتیں اپنے اندر رکھتا ہے اور سانپ کا بچہ سانپ کی عادتیں ظاہر کرتا ہے اور شیر کا بچہ شیر کی عادتیں دکھلاتا ہے۔ بالخصوص انسان کے بچہ کو غور سے دیکھنا چاہئے کہ وہ کیسے پیدا ہوتے ہی انسانی عادتیں دکھلانا شروع کر دیتا ہے اور پھر جب برس ڈیڑھ برس کا ہوتا ہو وہ عادات طبعیہ بہت نمایاں ہو جاتی ہیں۔ مثلاً پہلے جس طور سے روتا تھا۔ اب رونا بہ نسبت پہلے کے کسی قدر بلند ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی ہنسنا قہقہہ کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ اور آنکھوں میں بھی عمداً دیکھنے کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اس عمر میں یہ ایک اور امر طبعی پیدا ہو جاتا ہے کہ اپنی رضامندی یا ناراضامندی حرکات سے ظاہر کرتا ہے اور کسی کو مارتا اور کسی کو کچھ دینا چاہتا ہے۔ مگر یہ تمام حرکات دراصل طبعی ہوتی ہیں۔ پس ایسے بچے کی مانند ایک وحشی آدمی بھی ہے جس کو انسانی تمیز سے بہت کم حصہ ملا ہے۔ وہ بھی اپنے ہر ایک قول اور فعل اور حرکت اور سکون میں طبعی حرکات ہی دکھلاتا ہے اور اپنی طبیعت کے جذبات کا تابع رہتا ہے کوئی بات اس کے اندرونی قوی کے تدبر اور تفکر سے نہیں نکلتی بلکہ جو کچھ طبعی طور پر اس کے اندر پیدا ہوا ہے وہ خارجی تحریکوں کے مناسب حال نکلتا چلا جاتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس کے طبعی جذبات جو اس کے اندر سے کسی تحریک سے باہر آتے ہیں وہ سب کے سب برے نہ ہوں۔ بلکہ بعض ان کے نیک اخلاق سے مشابہ ہوں لیکن عاقلانہ تدبر اور موشگافی کو ان میں دخل نہیں ہوتا۔ اور اگر کسی قدر ہو بھی تو وہ بوجہ غلبہ جذبات طبعی کے قابل اعتبار نہیں ہوتا بلکہ جس طرف کثرت ہے اسی طرف کو معتبر سمجھا جاوے گا۔

غرض ایسے شخص کی طرف حقیقی اخلاق منسوب نہیں کر سکتے جس پر اسباب طبعیہ حیوانوں اور بچوں اور دیوانوں کی طرح غالب ہیں اور جو اپنی زندگی کو قریب قریب وحشیوں کے بسر کرتا ہے بلکہ حقیقی طور پر نیک یا بد اخلاق کا زمانہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے کہ جب انسان کی عقل خداداد پختہ ہو کر اس کے ذریعہ سے نیکی اور بدی یا دو بدیوں یا دو نیکیوں کے درجہ میں فرق کر سکے۔ پھر اچھے راہ کے ترک کرنے سے اپنے دل میں ایک حسرت پاوے اور برے کام کے ارتکاب سے اپنے تئیں متندم اور پشیمان دیکھے اور یہ انسان کی زندگی کا دوسرا زمانہ ہے جس کو خدا کے پاک کلام (-) میں نفس لوامہ کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ مگر یاد رہے کہ ایک وحشی کو نفس لوامہ کی حالت تک پہنچانے کے لئے صرف سرسری نصائح کافی نہیں ہوتیں۔ بلکہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کو خداشناسی کا اس قدر حصہ ملے جس سے وہ اپنی پیدائش بیہودہ اور لغو خیال نہ کرے تا معرفت الٰہی سے سچے اخلاق اس میں پیدا ہوں۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے ساتھ ساتھ سچے خدا کی معرفت کے لئے توجہ دلائی ہے اور یقین دلایا ہے کہ ہر ایک عمل اور خلق ایک نتیجہ رکھتا ہے جو اس کی زندگی میں روحانی راحت یا روحانی عذاب کا موجب ہوتا ہے اور دوسری زندگی میں کھلے کھلے طور پر اپنا اثر دکھائے گا۔ غرض نفس لوامہ کے درجہ پر انسان کو عقل اور معرفت اور پاک کانشنس سے اس قدر حصہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ برے کام پر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے اور نیک کام کا خواہشمند اور حریص رہتا ہے یہ وہی درجہ ہے کہ جس میں انسان اخلاق فاضلہ حاصل کرتا ہے۔

(........اصول کی فلاسفی صفحہ ۱۶-۱۸)

جلسہ سالانہ کے مقررہ ایام اہل ربوہ نے اللہ تعالیٰ کے حضور متضرعانہ دعاؤں میں گزارے

ربوہ ۲۶/ دسمبر آج یہاں اہل ربوہ نے جماعت احمدیہ کے جلسہ سالانہ ۱۹۸۵ء کا انعقاد نہ ہو سکنے پر زمینی رکاوٹوں کے خلاف اللہ تعالیٰ کے حضور یوم احتجاج منایا۔ آج کے دن خصوصی عبادات اور دعاؤں کا اہتمام کیا گیا نیز اہل ربوہ نے آج نفلی روزہ بھی رکھا۔

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب امام جماعت احمدیہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ احباب جماعت احمدیہ جلسہ سالانہ ۱۹۸۵ء کی اجازت نہ ملنے کی وجہ سے دنیا بھر میں اللہ تعالیٰ کے حضور یوم احتجاج منائیں۔ حضور کے ارشاد کی تعمیل میں ربوہ کے تمام محلوں میں خانہ ہائے خدا میں اعلانات کروائے گئے۔ جس میں اس دن کے پروگرام کی تفاصیل بیان کی گئی تھیں آج کے دن کا آغاز گھروں میں روزہ رکھنے کے لئے سحری کھانے سے ہوا محلوں میں اطفال الاحمدیہ نے تین ساڑھے تین بجے سے صل علیٰ کے ورد کرتے ہوئے احباب کے گھروں پر دستکیں دے کر انہیں سحری کھانے کے لئے بیدار کیا۔ گھروں میں روزہ رکھنے کا اہتمام کیا گیا۔ بہت سے احباب نے گھروں میں نوافل ادا کیے۔ صبح پانچ بجے کے لگ بھگ تمام خانہ ہائے خدا میں تہجد باجماعت ادا کی گئی۔ احباب اس تعداد اور ذوق و شوق سے خانہ ہائے خدا میں تہجد کے لئے حاضر ہوئے کہ ربوہ کے خانہ ہائے خدا میں تنگی کا احساس پیدا ہو گیا۔ شدید سردی کے باوجود بچے جوان بوڑھے تہجد ادا کرنے دیوانہ وار خانہ ہائے خدا میں چلے آئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور رو رو کر یوم احتجاج منایا۔ احباب کی گریہ وزاری سے لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ خواتین نے گھروں میں تہجد ادا کی تہجد کی ادائیگی کے بعد جملہ احباب خانہ ہائے خدا ہی میں رہے۔ نصف گھنٹے بعد چھ بجے صبح فجر باجماعت ادا کی گئی۔ جس کے بعد حضرت امام جماعت احمدیہ کی تازہ تحریک "عبادت" کے بارے میں خصوصی طور پر تیار کردہ درس بھی دیے گئے۔ ان درسوں میں "عبادت" کی اہمیت کے بارے میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے ارشادات عالیہ اور ائمہ جماعت احمدیہ کے فرمودات کے اقتباسات شامل تھے۔

اس روز کی مناسبت سے نظارت اصلاح و ارشاد نے حضرت امام جماعت احمدیہ کے تازہ خطبات بابت تحریک "عبادت" احباب میں وسیع پیمانے پر تقسیم کرائے۔ احباب نے خصوصی دعاؤں اور عبادات میں یہ دن گزارا اور اس طرح کسی غیر اللہ کے سامنے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزانہ اور متضرعانہ دعاؤں کے ذریعہ یوم احتجاج منایا۔

ربوہ کے علاوہ دیگر شہروں میں بھی احباب جماعت نے حضرت امام جماعت احمدیہ کے ارشاد کے ماتحت یہ دن دعاؤں اور ذکر الٰہی میں گزارا اور روزہ رکھنے کے علاوہ خصوصی دعاؤں اور درسوں کا اہتمام کیا۔

جلسہ سالانہ کی مقررہ تاریخوں یعنی ۲۶-۲۷-۲۸/ دسمبر کے تینوں دن ربوہ میں تہجد باجماعت خانہ ہائے خدا میں ادا کی گئی اور تینوں دن خصوصی دعاؤں اور درس و تدریس کا التزام جاری رہا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزانہ دعا ہے کہ وہ محض اپنے فضل و کرم سے ابتلا کا دور فتح نمایاں کے ساتھ اختتام پذیر فرمائے۔ اپنے دین کو چار دانگ عالم میں جلد سے جلد سربلند کرے اور ہم احباب جماعت احمدیہ کو دن رات اپنے رب کی راہ میں قربانیاں دیتے چلے جانے کی توفیق بخشے۔

جلسہ سالانہ قادیان

مولوی برہان احمد صاحب ظفر مربی سلسلہ بمبئی۔ لکھتے ہیں:۔

جلسہ سالانہ کی بنیاد خود حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے ۱۸۹۱ء میں رکھی تھی۔ دسمبر ۱۸۹۱ء میں جب یہ جلسہ قادیان میں منعقد ہوا اس وقت صرف ۷۵۔ اصحاب اس میں شامل ہوئے تھے۔ اور اس کا انعقاد بیت اقصیٰ قادیان میں کیا گیا تھا۔ آئندہ سال یعنی ۱۸۹۲ء میں جب جلسہ سالانہ ہوا تو اس میں شامل ہونے والے احباب کی تعداد ۳۲۷ تھی۔ جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا اور جماعت ترقی کرتی چلی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ جلسہ سالانہ پر آنے والے افراد کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا اس کا ایک مختصر سا خاکہ یوں درج ہے۔

"حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے زمانہ میں آخری جلسہ میں جو دسمبر ۱۹۰۷ء میں ہوا تین ہزار سے زائد اشخاص شامل ہوئے پھر حضرت امام جماعت الاول کا زمانہ شروع ہوا۔ آپ کے عہد امامت کے آخری جلسہ میں جو ۱۹۱۳ء میں ہوا جلسہ میں شامل ہونے والوں کی تعداد ۳۰۰۰ سے اوپر تھی۔"

امامت ثانیہ میں یہ تعداد سرعت کے ساتھ بڑھتی چلی گئی۔ ۱۹۳۲ء میں اس میں شامل ہونے والوں کی تعداد بیس ہزار تھی۔ ہجرت سے پہلے قادیان کے آخری جلسہ سالانہ میں جو دسمبر ۱۹۴۶ء میں ہوا ۳۳۰۰۰ افراد شامل ہوئے

جب تک جلسہ میں شامل ہونے والوں کی تعداد کم تھی اس کا انعقاد بیت اقصیٰ میں ہوتا تھا بعد میں باہر ہونے لگا۔ لیکن جب شامل ہونے والوں کی تعداد بڑھ گئی اور حضرت امام جماعت الثانی اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ سے راضی رہے کا زمانہ تھا تو اس کا انعقاد تعلیم الاسلام کالج کے میدان میں ہونے لگا۔ اس

باقی صفحہ ۱۵ پر

بیت الفکر - بیت الدعا

بیت الفکر وہ کمرہ ہے جو کہ بیت الذکر یعنی بیت مبارک کے ساتھ ہی شمالی جانب ہے۔ بیت الفکر میں سے ایک کھڑکی بھی بیت الذکر میں آ کر کھلتی ہے۔ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ اکثر اسی کھڑکی کے راستے بیت میں آیا جایا کرتے تھے۔ بیت الفکر کے دو کمرے ہیں۔ لیکن اصل کمرہ وہ ہے جو بیت المبارک کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ اور دوسرا کمرہ وہ ہے جس میں سے گذر کر بیت الدعا میں جایا جاتا ہے۔ اسی طرح سے حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ بھی جب بیت الدعا میں جاتے تو اسی بیت الفکر میں سے ہی گذر کر جاتے کیونکہ حضور کی رہائش عام طور پر نیچے کے حصے میں ہی ہوتی تھی۔ اور آپ نیچے کے حصے سے ہی ان سیڑھیوں کے ذریعے جو نیچے کے صحن کے مغربی کمرہ کے اندر سے اوپر کو جاتی اور بیت الفکر ۔ ۲ میں کھلا کرتی تھیں جایا کرتے۔ یہ حصہ اصل میں دالان سیدہ حضرت اماں جان کے نام سے موسوم تھا۔ بعد میں بیت الفکر کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ اس کمرہ میں داخل ہونے کے لئے مشرق کی جانب سے دو دروازے ہیں جو کہ کافی خستہ ہونے کے باعث اس وقت بدلے جا چکے ہیں۔ ایک دروازہ مغرب کی طرف کھلتا ہے جو کہ دراصل گلی نما ایک چھوٹے سے کمرے کا دروازہ ہے اسی طرح بیت الفکر نمبر ۲ کا ایک دروازہ جنوب کی طرف ہے جو کہ نمبر ایک بیت الفکر میں کھلتا ہے اس کمرہ کی لمبائی ۲۳ فٹ اڑھائی انچ ہے اور چوڑائی ۱۲ فٹ پانچ انچ ہے۔ اس کمرہ کا فرش خراب ہو گیا تھا۔ اس وجہ سے ۱۹۸۱ء میں اس کا فرش درست کیا گیا اور چاروں طرف کی دیواروں کو چپس لگایا گیا ہے۔

بیت الفکر کمرہ نمبر ایک جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ کمرہ بیت مبارک کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ اس کمرے کی چوڑائی ۹ فٹ ۱۱ انچ اور لمبائی ۱۳ فٹ ۶ انچ ہے۔ اس کمرے میں داخل ہونے کے بھی دو دروازے ہیں۔ ایک جانب شرقی اور دوسرا جانب شمال۔ اسی طرح ایک کھڑکی جانب مغرب کھلتی ہے اور دوسری کھڑکی جو کہ دروازہ نما بھی ہے جانب جنوب ہے جو بیت مبارک یعنی بیت الذکر کی طرف کھلتی ہے اور یہی وہ کھڑکی ہے جس کے ذریعے حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ بیت مبارک میں داخل ہوا کرتے تھے اس کھڑکی کے سامنے ایک کالے رنگ کا پردہ ہر وقت لٹکتا رہتا ہے۔ سیدنا حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کو ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۳ء میں اس کمرہ کے متعلق جس میں کہ آپ اپنے ابتدائی ایام میں کام کرتے تھے۔ (اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا) یعنی کیا ہم نے ہر ایک بات میں تیرے لئے آسانی نہیں کی۔ تجھ کو بیت الفکر عطا کیا گیا۔ بیت الفکر ہی وہ مبارک کمرہ ہے جس میں آپ نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب براہین احمدیہ تالیف فرمائی تھی۔

بیت الدعا

سیدنا حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے بیت الدعا کی بنیاد ۱۳ ذوالحجہ ۱۳۲۰ھ بمطابق ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء بروز جمعۃ المبارک بعد جمعہ رکھی۔ یہ کمرہ بیت الفکر نمبر ۲ کے غربی جانب ہے اور بیت الفکر سے قدرے اونچا ہے۔ اس میں داخل ہونے کے لئے چار سیڑھیاں ہیں جو کہ لکڑی کی بنی ہوئی ہیں پہلے والی سیڑھیاں استعمال کے باعث خراب ہو گئی تھیں اس لئے اب نئی اسی قسم کی سیڑھیاں بنوا کر رکھی گئی ہیں۔

بیت الدعا میں داخل ہونے کے لئے مشرقی اور مغربی دونوں جانب دروازے تھے۔ لیکن مغربی دروازہ اب بند کر دیا گیا ہے۔ اس میں داخل ہونے کے لئے بیت الفکر نمبر ۲ میں سے گذر کر جانا پڑتا ہے۔ اس کمرے کے جانب جنوب سے ایک کھڑکی ہے جبکہ شمالی جانب دیوار میں ایک الماری نصب ہے۔ اس کمرے کی چھ فٹ اور چھ انچ لمبائی ہے اور چوڑائی صرف چار فٹ اور دس انچ ہے۔ اس میں تین آدمی (عبادت) کے لئے بیک وقت باسانی کھڑے ہو سکتے ہیں۔ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے اس کمرہ میں دین حق کی شان ظاہر کرنے کے لئے اور امن اور سلامتی کے لئے بہت دعائیں کی ہیں جو کہ ہمیشہ مستجاب رہیں گی۔ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے بیت الدعا کے بارے میں ایک مرتبہ اپنے ایک مخلص رفیق حضرت مفتی محمد صادق سے فرمایا:۔

ہم نے سوچا کہ عمر کا اعتبار نہیں ۷۰ سال کے قریب عمر گزر چکی ہے موت کا وقت مقرر نہیں خدا جانے کس وقت آ جائے اور کام ابھی ہمارا بہت باقی ہے۔ ادھر قلم کی طاقت کمزور ثابت ہوئی ہے۔ رہی سیف اس کے واسطے خدا تعالیٰ کا اذن اور منشا نہیں۔ لہٰذا ہم نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور اس سے قوت پانے کے واسطے ایک الگ حجرہ بنایا۔ اور خدا سے دعا کی کہ اس بیت اور بیت الدعا کو امن اور سلامتی (......) کا گھر بنا دے۔

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے جب یہ کمرہ بنایا تھا اس وقت حضور کے ایک مخلص مرید شیخ رحمت اللہ صاحب مالک بمبئی ہاؤس لاہور نے اس کمرہ کے جملہ اخراجات خود عطا فرمائے تھے۔ خدا تعالیٰ شیخ صاحب کو اپنے فضلوں سے نوازے۔

بیت الدعا کی حالت بوجہ مرور زمانہ خراب ہو گئی۔ حتیٰ کہ اس کے نیچے کا فرش بھی ٹوٹ گیا تھا۔ لیکن ۱۹۸۰ء میں نیچے فرش کے ساتھ ساتھ چاروں طرف چار فٹ دیواروں پر چپس کے ساتھ خوبصورت پلاسٹر کر دیا گیا جس سے یہ بابرکت کمرہ زیادہ مضبوط ہو گیا ہے۔

چونکہ یہ کمرہ بہت چھوٹا ہے۔ گرمی کے ایام میں اس میں نوافل ادا کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔ اس لئے اس میں چھوٹا سا ایک پنکھا بھی لگا دیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے اب بھی بیت الدعا دعا کرنے والوں سے ہر وقت پر رہتا ہے۔

بقیہ صفحہ ۹

میں شامل ہونے والی مستورات کا انتظام الگ ہوتا تھا۔

۱۹۴۷ء سے اس جلسہ کا انعقاد دو جگہوں پر ہونے لگا۔ ایک قادیان میں ہی دوسرا پاکستان میں۔ لاہور کے بعد ربوہ میں۔ ربوہ میں ۱۹۸۳ء جلسہ میں شامل ہونے والے افراد کی تعداد پونے تین لاکھ تھی۔ اس جلسہ میں بیرونی ممالک سے بھی کثیر تعداد میں نمائندوں نے شرکت کی۔

جلسہ سالانہ ربوہ پر حکومت پاکستان کی طرف سے عرصہ دس سال سے پابندی عائد کر دی گئی ہے لیکن قادیان میں خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ جلسہ باقاعدہ جاری ہے۔ تقسیم ملک سے اس جلسہ پر بہت اثر پڑا۔ اور اس جلسہ میں شریک ہونے والے افراد کی تعداد کافی کم ہو گئی۔ کیونکہ اکثر افراد ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے تھے۔ لیکن آہستہ آہستہ اس تعداد میں ترقی ہونی شروع ہو گئی۔

اس جلسہ میں شریک ہونے والوں کی تعداد جو چند سو تک چلی گئی تھی بڑھتے بڑھتے پھر سے ۱۹۸۲ء میں پانچ ہزار تک پہنچ گئی۔ اس سال بیرونی ممالک سے شامل ہونے والے نمائندوں کی تعداد تقریباً اڑھائی صد تھی لیکن پنجاب کے سیاسی حالات مخدوش ہو جانے کے باعث اس جلسہ پر بھی خاصا اثر پڑا بیرون ہند سے نمائندگی بھی یکدم رک گئی تاہم ۱۹۸۶ء کے جلسہ میں تین ہزار افراد نے شرکت کی۔ (سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے)

باہر سے آنے والے مہمانان کرام کو رہائش و طعام کو سہولیات پہنچائی جاتی ہیں۔ مہمانوں کے لئے جلسہ کے دنوں میں تعلیم الاسلام ہائی سکول نصرت گرلز ہائی سکول اور مدرسہ احمدیہ کی عالی شان عمارتوں کو مہمانوں کے لئے دارالضیافت کے علاوہ استعمال میں لایا جاتا ہے۔ درویشان قادیان آنے والے مہمانوں کے لئے اپنے گھروں میں بھی رہائش کا انتظام کرتے ہیں۔

(مرکز احمدیت قادیان)

میں نے پہلے بھی کئی بار آپ کو نصیحت کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی خاموش سیرت گہرے پانی کی طرح ہے اس میں ڈوب کر آپ کے حسن و جمال کا اندازہ کریں تو حیران رہ جائیں گے کہ ان خاموش اداؤں میں خدا کی کتنی گہری محبت پائی جاتی تھی اور توحید کتنی زیادہ اس میں جلوہ گر تھی۔

(حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ)

تبتّل سے مراد غیر اللہ سے کٹ کر یا دنیا سے کٹ کر خالصتہً اللہ کا ہو جانا ہے

جس طرح دنیا میں جوڑے ہیں اسی طرح روح کے لئے ایک جوڑا ہے جو اللہ ہے

سیدنا حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ کے خطبہ فرمودہ ۲۴۔ تبوک ۱۳۷۲ ھش (۲۴۔ ستمبر ۱۹۹۳ء) بمقام بیت الفضل لندن کا مکمل متن جو حسب معمول چار مواصلاتی رابطوں کے ذریعے دنیا بھر میں براہ راست ٹیلی کاسٹ کیا گیا۔

(خطبہ کا یہ مکمل متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

دینی اجتماعات سیدنا حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا۔

آج بھی اللہ کے فضل کے ساتھ دنیا بھر میں جماعت کی مختلف تنظیموں کے اجتماعات یا تربیتی جلسے ہو رہے ہیں اور دن بدن جماعتوں میں یہ شوق بڑھتا جا رہا ہے کہ ان کے جلسوں اور ان کے مختلف اجتماعات کا ذکر بھی خطبہ کے ذریعہ ساری دنیا کی جماعتوں تک پہنچے اور اس طرح ان کو ان تقریبات میں سب دنیا کی دعائیں میسر آئیں۔

کچھ اجتماع کل سے شروع ہیں، کچھ آج سے، کچھ کل سے شروع ہوں گے۔ جو اجتماعات کل سے شروع ہو چکے ہیں اور آج جمعہ کے بعد ختم ہونے ہیں ان میں سے مجلس انصار اللہ ضلع گجرات کا سالانہ اجتماع ہے۔ خدام الاحمدیہ ٹیکسلا ہے، خدام الاحمدیہ ضلع ساہیوال ہے، خدام الاحمدیہ ضلع خانیوال اور فیصل آباد کی دار الذکر کی مجلس ہے۔ وہ مقامات جہاں آج سے یہ دینی اجتماعات شروع ہو رہے ہیں ان میں مجلس خدام الاحمدیہ جاپان ہے۔ لجنہ اماء اللہ جاپان ہے اور جماعت احمدیہ تنزانیہ کا سالانہ جلسہ ہو رہا ہے اور مجلس خدام الاحمدیہ ضلع لاہور کا ایک روزہ اجتماع ہے اور مجلس اطفال الاحمدیہ ضلع کراچی کا اجتماع ہے۔ اسی طرح خدام الاحمدیہ بیوت الحمد ربوہ نے بھی درخواست کی ہے کہ ہمیں بھی یاد رکھا جائے۔

وہ مقامات جہاں کل سے اجتماعات شروع ہو رہے ہیں ان میں جماعت احمدیہ سری لنکا، مجلس انصار اللہ سوئٹزرلینڈ۔ یہ ان کا دوسرا سالانہ اجتماع ہے۔ لجنہ اماء اللہ کینیا اور لجنہ اماء اللہ ضلع بدین کا پہلا سالانہ اجتماع ہے۔ اسی طرح مجلس انصار اللہ ربوہ کا بھی ۲۵ ستمبر سے سالانہ اجتماع شروع ہو رہا ہے۔ لجنہ اماء اللہ اور ناصرات الاحمدیہ لاہور کے اجتماعات ۳۰ ستمبر کو ہوں گے۔ اس سے پہلے کا جمعہ چونکہ آج ہی بنتا ہے۔ یہ اجتماع اگلے جمعہ سے پہلے ہو جائے گا۔ اس لئے ان کو بھی اپنی دعا میں شامل رکھیں۔

جہاں تک پیغامات کا تعلق ہے ان سب اجتماعات کے لئے کوئی الگ پیغامات تو اب بھیجنے ممکن نہیں ہیں اور ویسے بھی اب اس کثرت سے اجتماعات منعقد ہو رہے ہیں کہ ناممکن ہے کہ ہر اجتماع کے لئے الگ الگ پیغام بھیجے جائیں۔ خطبہ (-) ساری جماعت کے لئے پیغام ہوتا ہے اور تمام ذیلی تنظیمیں اس میں شامل ہوتی ہیں۔ پہلے خطبات کی نصیحتوں پر عمل کر لیں اور نصیحتیں ختم ہو چکی ہوں تو پھر آپ کا حق ہے کہ اور مانگیں لیکن پہلی ختم نہ ہوئی ہوں اور مزید کے مطالبے شروع ہوں یہ درست نہیں ہے۔ اس لئے ہر (-) کا خطبہ آپ سب کے لئے جنہوں نے پیغام کا مطالبہ کیا ہے اور ساری دنیا کی جماعت کے لئے قدر واحد کے طور پر ایک پیغام ہو جاتا ہے اور اسی کو اپنا پیغام سمجھیں۔

تبتّل کا مطلب یہ آیت کریمہ جس کی میں نے تلاوت کی ہے اس کا دنیا سے بھاگ کر اللہ کی طرف جانے سے تعلق ہے اس سے پہلے خطبات کا جو سلسلہ شروع تھا اس میں توحید کا مضمون بیان ہو رہا تھا کہ توحید کس کو کہتے ہیں اور جس طرح حضرت اقدس (بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ) ہم سے توقع رکھتے ہیں کہ توحید کا اس طرح حق ادا کرو جیسا کہ توحید کا حق ادا کرنے کا حق ہوا کرتا ہے۔ اس شان کے ساتھ توحید پر قائم ہو۔ اس کے بعد دوسری نصیحت حضرت (بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ) نے یہ فرمائی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تبتّل میں بھی ویسا ہی رنگ اختیار کرو۔ تبتّل کا مطلب ہوتا ہے ایک چیز سے کٹ کر الگ ہو جانا۔ اس تتنے سے کلیتہً جدائی۔ بتل، بتّل اور تبتّل یہ عربی کے ماضی کے صیغے ہیں، ان کا مطلب ایک ہی ہے۔ بتّل اور تبتّل میں ذرا شدت پائی جاتی ہے۔ مضمون وہی ہے۔ کسی کو کاٹ دیا۔ کسی کو کاٹ کر الگ کر دیا جدا کر دیا اور تبتّل کا مطلب ہوتا ہے خود کٹ کر الگ ہو جانا۔ عربی لغات میں تبتّل کو خالصتہً "اللہ کے لئے ظاہر کیا گیا ہے کیونکہ (کلام الٰہی) سے یہ حوالہ ملا ہے اس لئے لغات بھی اس کو یہی بیان کرتی ہیں کہ تبتّل سے مراد غیر اللہ سے کٹ کر یا دنیا سے کٹ کر خالصتہً "اللہ کا ہو جانا ہے۔ جب میں نے حضرت (بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ) کا یہ اقتباس پڑھا تو مجھے کچھ تعجب ہوا کیونکہ میرے ذہن میں یہ تھا کہ تبتّل پہلے ہوتا ہے اور توحید کے ساتھ تعلق و وابستگی تبتّل کے بعد قائم ہوتے ہیں تو حضرت (بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ) نے کسی گہری حکمت کی وجہ سے توحید کو پہلے رکھا ہے اور تبتّل کو بعد میں رکھا ہے۔ بعد میں جوں جوں میں نے غور کیا مجھے یہ بات پوری طرح سمجھ بھی آتی گئی اور پورے یقین کے ساتھ دل میں گڑھتی چلی گئی کہ حضرت اقدس (بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ) نے جو ترتیب بدلی ہے یہ آپ کے عارف باللہ ہونے کا ایک عظیم نشان ہے اور اس مضمون پر جتنا گہرا غور کریں اتنا ہی یہ بات کھلتی چلی جاتی ہے کہ اصل تبتّل یعنی غیر اللہ سے کٹنا خدا کے وجود سے پیوند کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے اس کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ محض ایک خلا کے لئے کوئی چیز چھلانگ نہیں مارا کرتی جب تک دوسری طرف کوئی ایسا قدم تھامنے کی جگہ دکھائی نہ دے جس پر پاؤں رکھ کر پچھلی طرف سے پاؤں اٹھایا جا سکے۔ کوئی معقول آدمی وہ قدم نہیں اٹھا سکتا۔ اس لئے جب زمیندار پیوند کرتے ہیں تو ایک شاخ کو اپنی اصل شاخ سے کچھ دیر جڑا رہنے دیتے ہیں۔ دوسری سے جوڑ دیتے ہیں۔ جب وہ یہ دیکھ لیتے ہیں کہ دوسری شاخ سے اس کا پیوند پختہ ہو گیا ہے تو پھر پہلی سے کاٹ دیتے ہیں۔ پس حضرت اقدس (بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ) نے اس ترتیب کو اسی حکمت کے پیش نظر بدلا اور ہمیں یہ سمجھایا کہ تمہیں سچا

تبتل نصیب ہو ہی نہیں سکتا جب تک خدائے واحد و یگانہ سے پہلے سچا پیار نہ ہو۔ وہ تعلق قائم ہو گا تو تبتل کی توفیق ملے گی ورنہ تبتل محض ایک نام کا تبتل رہے گا۔ پس انہی معنوں سے تعلق میں میں نے وہ آیات کریمہ آپ کے سامنے تلاوت کی تھیں جو (۔) کہ ہم نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے ہیں تاکہ تم نصیحت پکڑو۔ جوڑے پیدا کرنے کا تعلق ایک دوسرے سے وابستگی میں مضمر ہے۔ ایک جوڑے کو ایک جوڑا تبھی کہا جاتا ہے جب ایک کا دوسرے سے تعلق ہو اور آپس میں مناسبت پائی جائے اور ایک طبعی فطری جوڑ دکھائی دے۔ اس کے بغیر کسی چیز کو جوڑا قرار نہیں دیا جاسکتا تو فرمایا کہ اس پر غور کرو۔ ہم نے جو ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے ہیں یہ ایک ایسا مضمون ہے جس پر تمہیں گہرا تفکر کرنا چاہئے۔ یہ تنبیہہ کرنے کے بعد ہم جو بات کرنے لگے ہیں وہ گہرے غور کی بات ہے۔ فرماتا ہے (۔) پس اللہ کی طرف دوڑو۔ اب تعجب کی بات ہے کہ دنیا میں جوڑے پیدا کئے ہیں تو اس کے نتیجہ میں اللہ کی طرف کیوں دوڑیں۔ تعجب کے اس مقام کو حل کرنے کے لئے ذہن کو بیدار فرمایا یہ کہہ کر کہ (۔) یعنی جو بات ہم کہہ رہے ہیں یہ بہت گہری حکمت کی بات ہے۔ غور کرو گے تو سمجھ آ ئے گی۔

روح کے لئے اللہ کا جوڑ جس طرح دنیا میں جوڑے ہیں اسی طرح روح کے لئے ایک جوڑا ہے جو اللہ ہے اس کے سوا اور کوئی جوڑا نہیں۔ اگر تم دنیا میں بدکتے رہو گے اور دنیا میں اس روح کے لئے تعلق کا ایک جوڑا تلاش کرو گے تو تمہیں کچھ نصیب نہیں ہو گا اور تمہارے حصہ میں ناکامی اور نامرادی لکھی جائے گی کیونکہ روح کو بالآخر خدا سے تعلق باندھنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ پس فرمایا کہ (۔) تمہاری روحوں کا حقیقی جوڑا تو اللہ ہے اسی کی طرف دوڑو (۔) میں تمہیں اس کی طرف سے کھلا کھلا ڈرا رہا ہوں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو ارشاد ہے کہ یہ اعلان کردو کہ تمہیں ڈرا رہا ہوں۔ باقی سب جوڑے دھوکے کے جوڑے ہیں۔ ان میں کچھ بھی حقیقت نہیں۔ اپنی روح کو ان سے پیوستہ کرو گے تو تمہارا نقصان کا سودا ہو گا۔ پس خدا کی طرف بلانے کے لئے ڈرانے کا مضمون بہت ہی عمدہ مضمون ہے اور یہی تبتل ہے۔ فرار کا تعلق بھی خوف سے ہے۔ فرمایا کہ باقی چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے تعلق رکھو گے تو مقام خوف ہے۔ مارے جاؤ گے۔ پس اس مضمون کو سمجھ کر اس کی طرف دوڑو جو حقیقت میں تمہارا آخری اور ابدی جوڑا ہے یعنی اللہ کی ذات۔ اس مضمون کو مزید کھولتے ہوئے فرمایا: (۔) الا معبود کے لئے بھی آتا ہے اور ہر اس ذات کے لئے بھی جس کے ساتھ انسان کو فطری تعلق پیدا ہو جائے اور تعلق اتنا بڑھ جائے کہ دوسرے تعلقات پر غالب آجائے۔ پس اس مضمون پر سے بھی پردہ اٹھا دیا کہ ہم دنیا میں جو دوسرے تعلق رکھتے ہیں کیا وہ اس آیت کے منافی تو نہیں کہ (۔) کیا اس آیت کی نافرمانی میں تو ایسا نہیں کرتے کہ ہم تمہیں اللہ سے ڈرا رہے ہیں۔ اصل آخری جوڑا تمہارا اللہ ہی ہے اسی کی طرف دوڑو۔ فرمایا (۔) مراد یہ ہے کہ اللہ کی محبت پر کسی اور کی محبت کو غالب نہ رہنے دینا۔ وہی اصل ہے۔ اس کے بعد جتنے تعلقات ہیں وہ ثانوی ہو جاتے ہیں۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں رہتی اور پہچان یہ ہے کہ جب اس تعلق سے وہ تعلق ٹکراتے ہیں تو وہ ٹوٹتے ہیں اور یہ تعلق قائم رہتا ہے۔ اسی کے سامنے سر جھکاؤ اور کسی اور کے سامنے سر نہ جھکاؤ۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ کسی کی اطاعت نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ ماں باپ کی بھی اطاعت کرو۔ اولوالامر کی بھی اطاعت کرو۔ بہت سی اور اطاعتوں کے بھی حکم ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا کہ میں جس کو امیر مقرر کرتا ہوں اس کی اطاعت کرو اگر اس کی اطاعت نہیں کرو گے تو میری بھی نہیں کرو گے تو سر جھکانے کے مختلف مفاہیم ہیں۔ مختلف مضمون ہیں۔ ان مضامین اور ان مفہوموں میں ہم لوگ ایک دوسرے کے سامنے سر جھکاتے ہیں مگر اس سر جھکانے کے وقت ہماری نیتیں

ہمیں کیا بتا رہی ہوتی ہیں۔ یہ امر ہے جو دراصل یہ فیصلہ کرتا ہے کہ ہم نے کسی اور کو اپنا معبود بنایا ہے کہ نہیں بنایا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی خاطر سر جھکاتے ہیں یا اس پہلو سے یقین کے ساتھ ہم کسی کی اطاعت کر رہے ہیں کہ یہ دنیا کے عزت کے رشتے ہیں اور انسان ایک دوسرے سے تعاون پر مجبور ہے مگر جب یہ اطاعت خدا تعالیٰ سے ٹکرائے گی تو پھر اس اطاعت کے کوئی معنی نہیں رہیں گے۔ اسی طرح محبت کی باتیں ہیں۔ ایک انسان کو اپنے ماں باپ سے بھی پیار ہے 'اپنے بچوں سے بھی پیار ہے 'اپنے دوستوں سے بھی پیار ہے بیوی سے پیار ہے۔ یہ سب پیار اپنی ذات میں اس آیت کے مضمون کے منافی نہیں ہیں کہ ہم نے ہر چیز کا ایک جوڑا پیدا کیا ہے لیکن تمہارا اصل حقیقی جوڑا اللہ کی ذات ہے (۔) پس اللہ کی طرف دوڑو۔ جب تک خدا کا تعلق ان سب تعلقات پر غالب رہتا ہے اس وقت تک یہ منافی نہیں ہیں۔ یعنی اگر خدا کا تعلق ایک طرف ہو اور بیوی کی محبت دوسری طرف تو خدا کا تعلق قائم رہے اور بیوی کی محبت ٹوٹ جائے یا اس پہلو سے مغلوب ہو جائے۔ بچوں کا تعلق جب خدا کے تعلق سے ٹکرائے تو بچوں کے تعلق چور ہو جائیں لیکن خدا کا تعلق قائم رہے۔ اسی طرح یہ موازنہ زندگی کے ہر تعلق کے وقت اپنا سر اٹھاتا ہے اور ہمارا امتحان لیتا ہے۔

توحید کا آزمایا جانا ہر موازنہ کے وقت ہماری توحید آزمائی جاتی ہے اور ہمارا فرار الی اللہ آزمایا جاتا ہے۔ اس وقت فروا الی اللہ کا مضمون بتاتا ہے کہ ایک بے چینی کی کیفیت ہو گی۔ یعنی ایک دوسرا معنی اس فرار کے لفظ میں پیدا ہو جاتا ہے کہ ہم کسی تعلق والے سے اس لئے منہ موڑ رہے ہیں کہ خدا کا تعلق یہی تقاضا کر رہا ہے۔ اس وقت یقیناً حالت اضطراب ہوتی ہے اور اضطراب کے وقت انسان کسی پناہ کو ڈھونڈتا ہے۔ سکون کی جگہ کی تلاش کرتا ہے فرمایا (۔) جس کی خاطر تم نے یہ تعلق توڑا ہے یا اس تعلق پر خدا کو ترجیح دی ہے تمہیں امن بھی اسی کی ذات میں نصیب ہو گا اور وہیں تمہیں **سکینت قلب میسر آئے گی۔ پس دوڑ کر اس سکینت کے مقام** کی طرف آؤ۔ پس ہر آزمائش کے وقت خدا کی طرف حرکت میں ایک تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ ہر خوف سے بچنے کے لئے انسان خدا کی طرف پہلے سے زیادہ تیزی کے ساتھ دوڑتا ہے۔ یہ مضمون ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کر لو تو پھر ہر طرف سے ایک فرار کا سلسلہ شروع ہو جائے گا جو لامتناہی ہو گا۔ مختلف وقتوں میں مختلف تعلقات میں تم آزمائے جاؤ گے۔ اور وہ جو حقیقتاً اللہ تعالیٰ کا عرفان رکھتا ہے اس کی توحید کا قائل ہے اس کو ایک ہی جائے فرار دکھائی دے گی اور کوئی جائے فرار نہیں ہو گی۔ اس کے برعکس جو اللہ سے بھاگتے ہیں ان کو شش جہات میں ہر طرف فرار کی راہیں دکھائی دیتی ہیں۔ ہر غیر اللہ جہاں جہاں بھی ہو گا وہ خدا سے بھاگ کر امن کی جگہ دکھائی دیتا ہے لیکن ہر جگہ اس کو سراب پاتا ہے اس میں کوئی بھی حقیقت نہیں دیکھتا یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کی تقدیر اس پر غالب آجاتی ہے اور اس کی سزا کا وقت آجاتا ہے۔ پس یہ تبتل الی اللہ کا مضمون ہے۔ جس کو حضرت اقدس (بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ) نے توحید کے بعد رکھا کیونکہ توحید کا عرفان نہ ہو اور اس سے گہرا تعلق نہ ہو تو خدا تعالیٰ کی ذات کی طرف بھاگنے کا مضمون پیدا ہی نہیں ہوتا۔ انسان تو خوف کے مقام سے امن کے مقام کی طرف بھاگتا ہے۔ جب امن کے مقام کا پتہ ہی نہ ہو کہ ہے کون سا تو اس وقت تک اس کی طرف بھاگ نہیں سکتا اور امن کے مقام کا جب ہر دوسرے مقام سے موازنہ ہو رہا ہے تو ہر دوسرے مقام سے انسان خدا کی طرف بھاگے گا اور یقینی طور پر قطعی طور پر اس کے علم میں یہ جائے امن رہنی چاہئے۔ ہمیشہ اس کے پیش نظر رہنی چاہئے لوگ بعض دفعہ کسی خاص خطرے کے وقت خاص جگہ کو اپنے امن کے لئے مقرر کر لیا کرتے ہیں۔ جنگیں ہوتی ہیں تو بتایا جاتا ہے کہ تم زیر زمین کوئی پناہ گاہ کھود لو اور اس کو مضبوط کر لو اور اس

میں ضرورت کی چیزیں اکٹھی کرلو اور یاد رکھو اس کے رستے پتہ کرلو کہ کون سے ہیں۔ جب خوف کا الارم بجے گا تو تمہیں دوڑ کر وہاں جانا ہے۔ اسی طرح جب جہازوں وغیرہ میں آپ سفر کرتے ہیں تو آپ کو بتایا جاتا ہے۔ مختلف وقتوں میں اعلانات ہوتے ہیں کہ خطرہ ہو تو مقام امن کیا ہے۔ کس طرف ہے۔ کون سے رستے سے آپ بھی وہاں پہنچیں گے۔ سمندری جہازوں میں بھی یہ چیزیں لکھی جاتی ہیں تو دیکھیں (کلام الٰہی) کا اعلان کتنا عظیم الشان ہے۔ فرمایا: ہر دوسری چیز سے خطرہ ہے۔ تم خطرے کی حالت میں زندگی بسر کر رہے ہو۔ تمہیں بار ہا یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ ہم نے دوڑنا ہے۔ ہم تمہیں یہ بتاتے ہیں کہ اے محمدؐ تو اعلان کردے کہ (-) میں اس کی طرف سے یہ انذار کرنے کے لئے مقرر فرمایا گیا ہوں۔ جس طرح مقرر لوگ تمام مسافروں کی توجہ اپنی طرف کھینچتے ہیں اور کہتے ہیں سنو یہ بڑا ضروری اعلان ہے۔ غور سے سن لو اور اپنی امن کی جگہوں کو اچھی طرح پہچان لو۔ پس یہ اتنا عظیم الشان اعلان ہے کہ خوف سے بچنے کا اس سے بہتر اعلان کبھی اس شان کے ساتھ دنیا میں نہیں کیا گیا اور زوجین کے مضمون کو بیان کرنے کے بعد جو یہ اعلان ہے اس نے بتا دیا کہ ہر دوسرے تعلق سے خوف ہے اور اس میں گہری حکمت کا راز ہے۔ ہر تعلق یقیناً مقام خوف ہے۔ وہ تعلق کئی طرح سے اپنے اندر خوف رکھتا ہے۔ توقعات بڑی ہوتی ہیں وہ ٹوٹ جاتی ہیں۔ توقعات فرضی ہوتی ہیں ان میں کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ دوسرے تعلقات کے نتیجہ میں تعلقات بگڑ جاتے ہیں۔ بیوفائیاں ہیں جو رستے میں حائل ہوتی ہیں۔ قضاء وقدر کے عوامل ہیں جو ان تعلقات کو توڑ لیتے ہیں اور انسان کا کچھ نہیں رہتا۔ پس اگر کسی ایک تعلق سے ایسی وابستگی ہو کہ گویا وہی آخری تعلق ہے تو ایسے انسان کے مقدر میں نامرادی کے سوا کچھ بھی نہیں رہتا۔ بعض ماؤں کو بچوں سے تعلق ہوتا ہے اور اتنا بڑھ جاتا ہے کہ بچے مر جائیں تو پاگل ہونے لگتی ہیں۔ بعضوں کے اوپر تو ایسی آزمائش آتی ہے کہ ایک ہی بچہ ہے اور وہ مر جاتا ہے لیکن اس میں توحید پر قائم ماں اور شرک کی طرف مائل ماں کے ردعمل میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ میں نے خود ایسی مائیں دیکھی ہیں جن کا ایک ہی بچہ مرگیا لیکن ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عجیب حوصلہ عطا ہوا ہے۔ فروا الی اللہ انہوں نے ضرور کیا ہے۔ دنیا سے تعلق کم ضرور ہوا ہے۔ دنیا کے تعلق ان کو بے حقیقت دکھائی دیئے اور زیادہ خدا کی طرف مائل ہو گئیں۔ زیادہ دعاگو، زیادہ تہجد گزار بن گئیں اور ہمہ تن ذکر الٰہی میں مصروف رہنے لگیں لیکن بے چینی اور بے قراری جس طرح شرک کی طرف مائل عورتوں میں ہوتی ہے وہ ان میں نہیں پائی گئی۔ اب شرک کی طرف مائل ہونا بھی ایک درجہ بدرجہ مضمون ہے۔ یہ مراد تو نہیں ہے کہ ہر ماں اپنے بچے کے غم میں پاگل ہو رہی ہو تو وہ ضرور مشرک ہے۔ بعض دفعہ وقتی طور پر ایک غم دبا لیتا ہے لیکن پھر ایسی مائیں جلدی سنبھل جاتی ہیں لیکن بعض ہیں جو ہمیشہ ہمیش کے لئے روگ لگا بیٹھتی ہیں اور ان کے لئے کچھ رہتا ہی نہیں تو مراد یہ ہے کہ ان کی جائے فرار تو وہ بچہ تھا جو ان کا اصل زوج تھا۔ وہ نہ رہا تو کوئی جائے فرار نہ رہی لیکن یہ آیت ہمیں بتا رہی ہے کہ ہر ایسے موقعہ پر جب غیروں سے تعلق ٹوٹیں گے خواہ ان کی طرف سے ٹوٹیں یا حادثات کے نتیجہ میں ٹوٹیں یا تمہاری غلط امنگوں اور وابستگیوں اور توقعات کے نتیجہ میں ٹوٹیں تو یاد رکھو کہ (صاحب ایمان) کے لئے ہمیشہ ایک ہی جائے پناہ ہے اور وہ اللہ ہے (-) پس اللہ کی طرف دوڑو۔ پس تبتل کے مضمون کی ہر تفصیل اس آیت کریمہ میں بیان ہو گئی اور بنیادی نکتہ یہی ہے کہ امن کی جگہ کا علم نہ ہو' اس سے تعلق نہ ہو۔ یہ یقین نہ ہو کہ یہاں ضرور امن نصیب ہو گا تو پھر فرار کا مضمون پیدا ہی نہیں ہوتا۔ پس حضرت اقدس (بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ) کی اس تحریر میں میں نے جو ترتیب بدلی ہوئی دیکھی تو ابتداء میں اپنی جہالت کی وجہ سے کچھ تعجب ہوا لیکن جتنا میں نے اس مضمون پر غور کیا میں حیرت کے سمندر میں ڈوبتا چلا گیا۔ عجیب عرفان ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص شان ہے۔ کہ (-) ایسا عرفان نصیب ہوتا ہے اور اس کے بغیر یہ باتیں قلم سے نکل نہیں سکتیں' زبان پر جاری نہیں ہو سکتیں۔ پس حضرت (بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ) کے کلام کو عزت اور وقار کی نظر سے دیکھو اور غور سے اس کا مطالعہ کرو (-)

لبید کا ایک شاندار شعر اسی ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ وسلم کی ایک حدیث پیش کرتا ہوں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ وسلم نے دوسرے شعراء کو بہت کم پسند فرمایا ہے اور ان کے شعر پر کوئی داد دی ہے۔ کئی ایسے خوش نصیب شعراء ضرور ہیں جن کے قصائد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ وآلہ وسلم نے خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ ایک ایسا قصیدہ' قصیدہ بُردہ کے نام سے مشہور ہے کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے اس شاعر کو اپنی چادر انعام کے طور پر عطا فرما دی تھی۔ اس کے علاوہ ایک ایسا شعر ہے جس کے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ وسلم نے فرمایا کہ جتنے بھی شعر کہنے والے ہیں ان میں سے کسی شاعر نے کبھی اس سے زیادہ سچی بات نہیں کی۔ یہ داد بے اختیار آپ کے دل سے اٹھی ہے۔ وہ شعر لبید کا ہے۔ لبید کہتا ہے۔ الا کل شئی ما خلا اللہ باطل

خبردار غور سے سن لو۔ اللہ کے سوا ہر دوسری چیز باطل ہے۔ ایک ہی حق ہے۔ خدا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ وسلم کے عشق کے نتیجہ میں یہ شعر ایسا دل پر لگا ہے کہ بے اختیار دل سے داد اٹھی ہے۔ واہ واہ' کیا کلام ہے کہ کبھی کسی شاعر نے اس سے زیادہ سچی بات نہیں کی۔ اللہ کے سوا ہر چیز کا باطل ہو جانا یہی بات آپ کو فرار کی طرف مائل کرتی ہے۔ ایک ہی وجود رہ جائے گا۔ باقی کچھ نہیں رہے گا۔ ایک مستقبل میں بھی اس کے معنی ہیں۔ سب تعلق بیکار چلے جائیں گے۔ کوئی ساتھ نہیں دے گا۔ صرف ایک اللہ کا تعلق ہے جس کے ساتھ ہمیشگی کا سفر ہے۔ اس کی طرف دوڑو۔ جس سواری پر چڑھ کر آپ نجات کا سفر اختیار کر سکتے ہیں جبکہ خطرہ ہو کہ سیلاب آنے والا ہے' جبکہ خطرہ ہو کہ جنگلی درندے وہاں اس علاقہ میں راہ پانے والے ہیں' جبکہ خطرہ ہو کہ ڈاکو آئیں گے یا فوج کشی ہو گی تو ان سب حالات میں وہ سواری جو امن کے مقام کی طرف لے جاتی ہے وہی ایک سواری ہے جس کا ذکر اس شعر میں ملتا ہے۔ الا کل شئی ما خلا اللہ باطل۔ خبردار! خدا کے سوا ہر دوسری چیز باطل ہے۔ یہ چونکہ ایک گہرا عارفانہ مضمون تھا اس لئے حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے اس پر ایسی داد دی جیسی داد کبھی کسی شاعر کو نہیں دی گئی اور بڑا ہی خوش نصیب ہے لبید کہ سب سے زیادہ عارف باللہ نے اس کو داد دی ہے اور ایسی بات ہوئی ہے جس کی کوئی مثال آپ کو دنیا میں دکھائی نہیں دے گی۔ ہو سکتا ہے دوسرے انبیاء نے بھی بعض شعراء کو داد دی ہو مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم سے بڑھ کر صاحب عرفان اور صاحب ذوق انسان متصور ہی نہیں ہو سکتا۔ یہ دونوں باتیں قطعی ہیں اللہ کا جیسا عرفان آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو نصیب ہوا یہ آپ کے فرار الی اللہ سے ثابت اور بالکل ظاہر و باہر ہے اور جس کے ذوق نے خدا کو محبت کے لئے چن لیا ہو اس سے بہتر ذوق ہو ہی نہیں سکتا تو سب سے زیادہ عارف باللہ اور سب سے زیادہ صاحب ذوق انسان جس پر وہ کلام نازل ہوا جس سے زیادہ فصیح و بلیغ کلام اور کوئی نہیں تھا۔ جس کو خود کلام پر وہ قدرت نصیب ہوئی کہ تمام اہل علم پکار اٹھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم افصح العرب بعد کتاب اللہ ہیں کہ کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ فصیح و بلیغ انسان حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم تھے۔ اس کے باوجود آپ نے لبید کو اس کے ایک شعر پر داد دی ہے۔ میں نے تو جب یہ پڑھا میں اس بات پر سر دھننے لگا کہ کیا شان ہے لبید کی۔ بخ بخ لبید محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے داد پا رہا ہے لیکن یہ شعر ہے ہی ایسا۔ کیسا پیارا کلام ہے۔ الا کل شئی ما خلا اللہ باطل

تمام صلاحیتیں اللہ کے لئے وقف کرنا میں احادیث کی طرف پھر دوبارہ (اللہ نے چاہاتو) واپس آؤں گا۔ ان سے پہلے اس ضمن میں چند اور آیات میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں جن میں یہی مضمون مختلف طرح سے بدل بدل کر پیش کیا گیا ہے۔ کبھی ایک پہلو سے کبھی دوسرے پہلو سے اور اس مضمون پر اگرچہ بہت سی اور آیات بھی ہیں لیکن چونکہ اس کو ایک دو خطبات میں سمیٹنے کا میرا ارادہ تھا اس لئے سارا مواد نہیں بلکہ چند آیات نمونے کی لی گئی ہیں فرماتا ہے (۔)

اس کی پہلی آیت ہے جو خصوصیت سے پیش نظر ہے۔ باقی اس کے نتائج ہیں جو بعد کی دیگر آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ فرمایا (۔) اے انسان (۔) تو پوری کوشش اور زور لگا کر جدوجہد کے ساتھ اپنے رب کی طرف جانے والا ہے (۔) پس خوشخبری ہو کہ تو ضرور اسے مل جائے گا۔

اس آیت کا اللہ تعالیٰ کے مختلف بندوں پر مختلف رنگ میں اطلاق ہوتا ہے۔ جہاں تک حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کا تعلق ہے اول اطلاق آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی ذات پر ہے اور اس کے معنی دوسرے انسانوں پر اطلاق کے معنوں کے مقابل پر بہت ہی زیادہ رفیع الشان ہیں۔ یعنی یہی آیت ادنیٰ انسان پر بھی اطلاق پاتی ہے اور اعلیٰ پر بھی پاتی ہے اور ایسا کلام ہے کہ ہر اطلاق کے مطابق اپنے مضمون بدلتی ہے اور ہر اطلاق کے مطابق ڈھلتی چلی جاتی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم پر جب اس کا اطلاق کیا جائے جو اول مخاطب ہیں تو یہ مطلب ہے کہ اے انسان کامل! الانسان' جو فی الحقیقت انسان کہلانے کا مستحق ہے اور تمام انسانیت کا خلاصہ اور تمام انسانیت کا مرجع ہے۔ تمام انسانیت کا معراج ہے (۔) تیرے لئے تو اس کے سوا ہے ہی کچھ نہیں کہ اپنی تمام تر طاقتیں' ہر وہ صلاحیت جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے وہ اللہ کے لقاء کی خاطر صرف کر دے اور اسی میں اپنی ساری قوتوں کو ہلاک کر دے۔ کچھ بھی باقی نہ چھوڑے۔ تمام جان کے ساتھ تمام شعور کے ساتھ' تمام ہمت کے ساتھ اپنے وقت کے ہر لمحہ کو اللہ کے لئے وقف رکھے۔ یہ تیرا مقدر ہے۔ تو نے اس کے سوا کرنا کچھ نہیں (۔) تو ہے ہی ایسا۔ یہ مطلب بنتا ہے۔ اس کے سوا تجھ سے کچھ ہو ہی نہیں سکتا (۔) پس خوشخبری ہو کہ تو وہ ہے جو ضرور اپنے رب سے ملے گا (۔) کوئی بعد کی خوشخبری نہیں ہے بلکہ ہر آن کوشش کے نتیجہ میں یہ خوشخبری (۔) مطلب یہ ہے کہ ساری زندگی یہی جدوجہد ہے۔ یہی تلاش ہے۔ یہ خوشخبری کا جو پیغام ہے اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ جب تیری جدوجہد ختم ہو جائے گی تب تو خدا سے ملے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی صورت میں جب یہ آیت آپ پر اطلاق پاتی ہے تو مضمون یہ بن جاتا ہے کہ تیری ہر کوشش تجھے خدا سے ملائے گی۔ ہر لمحہ تو خدا کی ایک نئی شان دیکھے گا۔ نیا جلوہ تجھ پر ظاہر ہو گا (۔) تیری آخرت پہلے سے ان معنوں میں بہتر ہے کہ ہر لمحہ جو نئی جدوجہد تو خدا کے حصول کی خاطر کرتا ہے اس کے نتیجہ میں ہر لمحہ اللہ تجھے ایک نئی شان کے ساتھ دکھائی دے گا۔

اس کا دوسرا اطلاق عام ہے اور وہ بھی درجہ بدرجہ ہے۔ اس کا ادنیٰ اطلاق یہ بنے گا کہ وہ انسان جس کو عرفان الٰہی نہ ہو اور اللہ کی طرف جانا چاہے اس کا یہ سفر بڑا کٹھن ہو جاتا ہے۔ ایک ہے عرفان کے نتیجہ میں خدا کی طرف دوڑنا' اس میں بھی ایک بڑی شدید مشقت پائی جاتی ہے۔ مشقت ان معنوں میں کہ محبوب کی طرف دوڑنے کے لئے انسان سعی کرتا ہے اور ہر تیزی کو بھی ست روی سمجھ رہا ہوتا ہے۔ وہ اپنی طرف سے پورا زور لگا رہا ہے لیکن سمجھتا ہے کہ ابھی کچھ زور ہی نہیں لگ رہا وہ فاصلے جیسے میں چاہتا ہوں ویسے طے نہیں ہو رہے۔ پس یہاں کدحا" کا مطلب ہے کہ محبوب سامنے دکھائی دے رہا ہے۔ پورے زور سے اس کی طرف بڑھ رہا ہوں لیکن جس شان جس تیزی کے ساتھ بڑھنا چاہتا ہوں وہ تیزی ابھی پوری پیدا نہیں ہوئی۔ پھر انسان اور زور لگاتا ہے۔ پھر اور زور لگاتا ہے۔

ایک یہ ہے کہ جس کے سامنے ایک مبہم سا تصور ہے۔ یقینی طور پر قطعی حالت میں اس محبوب سے ابھی نہ آشنائی ہوئی ہے نہ اس کا حسن پوری طرح جلوہ گر ہوا ہے لیکن عقیدۃً یہ تسلیم کر بیٹھا ہے کہ ایک خدا ہے اور عقیدہ یہ مان چکا ہے کہ اس خدا کی طرف بڑھے بغیر میری نجات نہیں ہے۔ یہ سالک کے سفر کا آغاز ہے جو اس طرح ہوتا ہے۔ پس فرمایا کہ (۔) تجھے بڑی محنت کی ضرورت پڑے گی۔ بڑی مشکلات سامنے آئیں گی۔ ہر قدم جو خدا کی طرف اٹھائے گا کسی اور جانب سے پرے ہٹائے گا اور یہ ہے جو دراصل تبتل کا مضمون ہے۔ ایک سمت سے جب ایک قدم دوسری سمت میں اٹھتا ہے تو ہر قدم پر ایک منزل دور ہو رہی ہے اور دوسری منزل قریب ہو رہی ہے۔ اپنے تعلقات کی ہر منزل سے خدا کی طرف کا سفر بڑا ہی مشقت کا سفر ہے۔ بڑی جانکاری کی ضرورت ہے۔ بہت محنت چاہئے۔ بڑی قربانیاں درپیش ہیں۔ فرمایا (۔) اے انسان! تو نے اللہ کی طرف سفر اختیار کرنا تو ہے۔ جس نے بھی کرنا ہے مگر یاد رکھو کہ بڑا مشکل کا سفر ہے لیکن ایک چیز ہے جو تجھے سہارا دے گی اور وہ چیز خدا کا یہ یقینی وعدہ ہے کہ خواہ تم مشکل ڈال کر سفر کرو خدا وعدہ کرتا ہے کہ آخر وہ تم سے ملاقات کر لے گا اور تمہاری یہ کوشش رائیگاں نہیں جائے گی۔ پس تبتل کی دو انتہائیں اس آیت میں بیان ہو گئیں۔ تبتل کی ایک انتہاء حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے تبتل کی انتہاء ہے۔ اس میں پیچھے سے کھینچنے والا کوئی رسہ نہیں تھا۔ کسی اور منزل کا خیال نہیں تھا جو قدم تھام رہا تھا۔ کوئی ایسا محبوب وطن نہیں تھا جسے چھوڑ کر اللہ کی طرف ہجرت فرما رہے تھے۔ ایک ہی کشش تھی اور وہ صرف ایک اللہ کی کشش تھی اور باقی سب رسے پہلے ہی ٹوٹ چکے ہیں۔ پس تبتل یہاں ایسا تبتل ہے کہ جیسے محبوب کی طرف ایک روح از خود اڑتی ہوئی چلی جاتی ہے اور غیر کے روکنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور ایک تبتل وہ ہے جو ابتدائی سفر کرنے والے کا تبتل ہے۔ اسے ہر منزل پر دوسروں سے تعلق کاٹنے پڑتے ہیں۔ بندھن توڑنے پڑتے ہیں۔ مشکل زمین پر قدم رکھتا ہے تو پاؤں دھنستے ہیں۔ زمین وہیں روکتی ہے لیکن زور لگا کر آگے بڑھتا ہے۔ دونوں کا انجام تو وہی ہے کہ خدا ملے گا لیکن بڑا فرق ہے۔ کہاں وہ مضمون کہ اڑتی ہوئی روح حرکت کر رہی ہے جیسے حضرت (بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ) فرماتے ہیں کہ اے میرے آقا! میری روح تیری طرف اڑتی ہوئی چلی جا رہی ہے۔ وہی مضمون (۔) اس آیت کے اطلاق سے پیدا ہوتا ہے اور ہم جیسے عاجز انسانوں کو رستے کی مشکلات سے آگاہ کرتا ہے۔ فرماتا ہے کہ یہ سفر آسان کرنا ہے تو ملاقات کا خیال غالب رکھو۔ یہ پیش نظر رکھو کہ تم سے ایک وعدہ ہے کہ اللہ تم سے ضرور ملاقات کر لے گا اور یہاں بھی قدم قدم کا مضمون صادق آتا ہے۔ تمام وہ لوگ جو دنیا سے تعلق توڑ کر (یعنی ان معنوں میں جن معنوں میں پہلے بیان کر چکا ہوں اور آئندہ بھی کچھ کروں گا) خدا کی طرف حرکت کر رہے ہوتے ہیں ان کو کچھ نہ کچھ طعمہ کے طور پر ان کی محنت کی جزاء ساتھ ساتھ مل رہی ہوتی ہے ورنہ محض عدم تعلق سے ایک خیالی محبوب کی طرف کی حرکت ممکن ہی نہیں ہے۔ جب وہ دنیا سے تھوڑا تھوڑا تعلق توڑتے ہیں تو وہیں اللہ سے ایک قسم کی ملاقات حاصل کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے پیار سے ان پر ضرور جلوہ گر ہوتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو یہ سفر ناممکن ہو جائے۔ پس وہ لوگ جو سالک ہیں آغاز سفر میں ان کو بھی یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اگر ان کی محنت کا پھل ساتھ ساتھ نہیں ملتا تو ان کی محنت درست نہیں ہے۔ اس میں ضرور خامیاں ہیں۔ ان کو غلط فہمی ہے کہ وہ دنیا سے تعلق توڑ کر خدا کی طرف جا رہے ہیں کیونکہ (ملاقات) کا وعدہ صرف آخرت کا وعدہ نہیں بلکہ ہر کوشش کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے لقاء کے ملنے والے انعامات ہیں جو انسان کو ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ ضرور نصیب ہوتے رہتے ہیں پس یہ آیت کریمہ تبتل کے مضمون میں ایک بہت عظیم مرتبہ رکھتی ہے اور اس کے سارے پہلوؤں کو بیان فرماتی ہے۔

خدا کے سوا کوئی ولی نہیں پھر (۔) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (۔)
اے محمدؐ تو یہ اعلان کردے کہ میں اللہ کے سوا کوئی ولی کیسے ڈھونڈوں۔ اس کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے (۔) وہی ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے اس کے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے ہی نہیں تو کسی اور کی درگاہ کی طرف ذہن جا کیسے سکتا ہے۔ اس کے سوا ہے ہی کوئی نہیں۔ پس یہاں بھی غیر اللہ سے تعلق توڑنے سے پہلے ایک فاطر کے وجود کا تصور ضروری ہے جو انسان کا مددگار بنتا ہے اور ہمیں یہ آیت رستہ سکھاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاطر غیروں سے تعلق توڑنا ہو تو اللہ تعالیٰ کی مثبت صفات پر غور کرو۔ اس کے نتیجہ میں غیر اللہ سے تعلق ٹوٹے گا۔ محض ایک خیالی چھلانگ نہیں لگائی جاسکتی۔ قرآن کریم نے اس سفر کو ایک اور آیت میں یوں بیان فرمایا ہے (۔) اہل عقل کے لئے نشانیاں ہیں اور اہل عقل جوں جوں اس مضمون کو سمجھتے چلے جاتے ہیں کہ فاطر یعنی ابتداء میں پیدا کرنے والا اور خالق' اس میں نئے تنوعات کرتے چلے جانے والا وہ ایک ہی وجود ہے تو پھر غیر اللہ سے طبیعت ہٹتی چلی جاتی ہے۔ اس سے تعلق مدہم پڑتا چلا جاتا ہے اور اس سفر کے دوران غور کے نتیجہ میں ہر غور کے بعد ان کی فطرت یہ آواز دیتی ہے کہ اے خدا تیرے سوا اور کوئی نہیں ہے (۔) یہ دنیا باطل ہے۔ اگر تو نے ہم پر احسان نہ فرمایا تو ہمارا اس دنیا سے تعلق ایک آزاد کا تعلق بن جائے گا۔ یہ آگ ہی آگ ہے اگر تو نہ ہو۔ اس آیت کے متعلق میں پہلے بھی مختلف وقتوں میں بیان کر چکا ہوں اس لئے پوری آیت پڑھ کر تفسیر نہیں کرتا لیکن اس تعلق میں میں آپ کو یہ یاد کراتا ہوں کہ یہ وہی مضمون ہے (۔) کہ فاطر السموات والارض کی قدرتوں پر غور کرنے کے نتیجہ میں انسان اللہ کی طرف مائل ہوتا ہے تو پھر دنیا سے تعلق ایک نیا رنگ اختیار کرتا ہے اور اس تعلق کے بڑھنے کو انسان آگ سمجھتا ہے اور اس تعلق کو باطل قرار دیتا ہے اور جانتا ہے کہ اگر اس تعلق کو حقیقی بنالیا تو پھر میرا ٹھکانہ آگ کے سوا کچھ نہیں۔ اس کا انجام آگ کے سوا کچھ نہیں اور پھر اللہ کی طرف دوڑنے کا مضمون اس سے نکلتا ہے۔ پھر فرمایا (۔) یہ وہ ذات ہے جو کھلاتی ہے اور اس کو کوئی چیز نہیں کھلاتی۔ وہ مستغنی بھی ہے۔ اگر اس سے تعلق جوڑو گے تو ہر قسم کا رزق تمہیں عطا ہو گا۔ مطعم میں صرف کھانا مراد نہیں بلکہ توانائی کی ساری قسمیں آجاتی ہیں کیونکہ طعام دراصل انسان کے لئے قوت یعنی زندہ رہنے کی طاقت مہیا کرتا ہے اور دیگر سب توانائی کھانے سے ملتی ہے۔ روحانی معنوں میں بھی یہاں طعام کا ذکر فرمادیا گیا (۔) اس سے ہر طرح کی توانائی نصیب ہوتی ہے اور تمہاری کسی توانائی کی اس کو ضرورت نہیں۔ اس لئے اس سے تعلق توڑو گے تو توانائی سے محروم رہ جاؤ گے اور اس کا کوئی نقصان نہیں۔ اس لئے یہ نہ سمجھو کہ خدا تعالیٰ اپنے حرص میں اپنے کسی فائدہ کے لئے تمہیں بلاتا ہے۔ تمہارے فائدہ کے لئے تمہیں بلاتا ہے اس لئے ایسے خدا کی طرف دوڑو جس کے بغیر تمہاری حقیقی بقا ہو ہی نہیں سکتی۔ فرمایا (۔) کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ (۔) کہ میں اسلام لانے والوں میں سب سے پہلا ہو جاؤں۔

اب یہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم کی ذات پر ایک عظیم الشان انعام ہے کہ سب پہلوں سے آپ کے اسلام کو پہلے قرار دے دیا۔ یہاں اول زمانی نہیں ہے کیونکہ قرآن کریم میں ملتا ہے کہ اس سے پہلے جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ سے فرمایا (۔) اے ابراہیمؑ! اسلام لے آ۔ یعنی خدا کے سپرد ہو جا تو کہا کہ اللہ میں تو ہو چکا۔ میں تو پہلے سے ہو چکا ہوں۔ زمانے کے لحاظ سے وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم سے ہزاروں برس پہلے تھے لیکن اس کے باوجود فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ خدا کے نزدیک میں پہلا ہوں۔ لامتناہی زمانہ ماقبل گزر چکا ہو تب بھی اللہ جانتا ہے کہ اسلام میں مجھ سے اول اور کوئی نہیں ہے اور حکم دیا ہے تو بیان کیا ہے ورنہ شاید بیان بھی نہ فرماتے۔ طبیعت میں ایسا انکسار تھا کہ اپنے باطنی حسن کو مجبوری کے سوا خود کھول کر بیان نہیں فرمایا کرتے تھے۔ بعض باتوں کا حکم دیا گیا ہے (۔) ان اکون کے بعد پہلے اسلام نہیں لائے۔ اس مضمون کو اچھی طرح یاد رکھیں۔ یہ نہ سمجھیں کہ مراد ہے کہ جب خدا نے حکم دیا تب میں سب سے پہلے اسلام لے آیا۔ خدا کے حکم دینے سے پہلے جب تک یہ آیت نازل نہیں ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا حالت تھی اور وہ اگر بعد میں اسلام لائے تو اول ہو کیسے گئے۔ یہاں حکم سے مراد ہے کہ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تو ہی ہے اور اس کا اعلان کر۔ دنیا کو بتادے کہ تجھ سے بڑھ کر کوئی اسلام لانے والا نہیں ہے (۔) اور مشرکین میں سے نہ ہو۔ آیت کے اس بقیہ حصے نے تو اس راز سے خوب پردہ اٹھادیا کہ پہلی دفعہ کچھ کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ آپ کی حالت جاریہ کا ذکر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی الہ وسلم کسی لمحہ مشرک ہوئے تھے جو یہ حکم تھا کہ مشرکوں میں سے نہ ہو۔ آپ پر کونسا ثانیہ ایسا گزرا تھا کہ جب آپ ہر وقت خدا کے حضور حاضر نہیں تھے۔ اسلام کی حالت میں نہیں تھے تو آیت کے دوسرے حصے نے بتادیا کہ کوئی تازہ حکم نہیں ہے بلکہ آپ کی ایک جاری و ساری ہمیشہ باقی رہنے والی حالت کا تعارف کروایا جارہا ہے آپ نے جیسے کبھی شرک نہیں کیا ویسے ہی ہمیشہ سے آپ مسلمان تھے اور یہاں لاتکونن من المشرکین میں دراصل خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان ہے کہ اس آیت کے سب سے زیادہ مصداق کہ شرک نہیں کرنا اور اسے پورا کرنے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم ہیں۔ ایک جگہ امر یعنی حکم ہے کہ یوں کرو۔ دوسری جگہ مناہی ہے کہ یوں نہ کرو۔ بظاہر دونوں ہدایات وقتی طور پر ہیں لیکن دونوں مضامین ثابت کر رہے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی ابدی طور پر جاری و ساری حالت کا نام شرک نہ کرنا اور اسلام لے آنا ہے۔ پس باقیوں کے لئے نمونے کے طور پر آپ کی ذات کو پیش فرمایا گیا ہے۔

شرک سے سب سے زیادہ نفرت کرنے والا وجود اس سے ایک مضمون یہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو حکم دیتا ہے اصل میں اسی کو دیتا ہے جو اس کا مصداق ہو۔ ویسے تو سب کو حکم ہے مگر جو خدا کے حکم نہیں مانتے وہ خدا کی عبودیت سے باہر نکل چکے ہوتے ہیں اور حکم میں اصل مراد وہی ہوتا ہے جو سب سے زیادہ اس پر عمل کرنے والا ہو۔ ان معنوں میں اس آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کو جب خدا نے فرمایا کہ مشرکوں میں سے نہ ہو تو یہی وہ بندہ ہے جو سب سے زیادہ شرک سے نفرت کرنے والا اور شرک سے پرہیز کرنے والا تھا۔ اس سے بڑھ کر یہ مناہی کسی اور ذات پر صادق نہیں آتی۔ پس خدا نے اس کو کہنے کے لئے چنا ہے اور اس کے حوالے سے تم سب کو حکم ہے۔ اسلام کا حکم بھی آنحضور کے حوالے سے ہے کیونکہ آپ اول ہو گئے اور اسی اولیت میں شرک نہ کرنے کی اولیت بھی داخل ہو گئی۔ پس جو ان دونوں مضامین میں اول ہے اس کے پیچھے لگو۔ اس کی پیروی کرو' اس سے سیکھو۔ قل انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم۔ ان سے کہہ دے کہ میں اس بات سے بہت خائف رہتا ہوں کہ اگر میں نے اللہ تعالیٰ کی معصیت کی تو ایک یوم عظیم کا عذاب بھی ہے جو سامنے کھڑا ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم ہر وقت خدا سے اس بات سے میں خائف رہتے ہیں کہ ایک یوم عظیم کا عذاب سامنے کھڑا ہے حالانکہ ان کے متعلق اللہ یہ گواہی دے چکا ہے کہ اسلام لانے والوں میں سب سے اول ہیں۔ شرک نہ کرنے والوں میں سب سے اول ہیں تو باقیوں کا کیا حال ہونا چاہئے (۔) مضمون مزید سمجھ آیا کہ آپ کو کیوں چنا ہے۔ خدا کی طرف سے ڈرانے کے لئے اس کو چنا گیا ہے جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہے اور خدا سے ڈرنے کے نتیجہ میں خدا سے دور نہیں جارہا بلکہ خدا کی طرف آرہا ہے۔ پس ڈرنے کا یہ مفہوم ہے جو ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے۔ خدا سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا جن باتوں سے دور ہوتا ہے۔ جن باتوں کے نتیجہ میں تمہیں پرے پھینک دیتا ہے یا تم اس سے پرے ہٹ جاتے ہو ان باتوں سے ڈرو تو تم خدا کی طرف دوڑو گے اور یہی تقویٰ کا مضمون ہے۔ یہی تبتل کا مضمون ہے۔ جس کے مختلف پہلو اس آیت کریمہ میں بیان ہوئے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ (۔) فرماتا ہے: کیا ان کے بنائے اللہ کے سوا کوئی معبود ہے بھی؟ ہے کون؟ ساری کائنات خدا

کے سوا خالی پڑی ہے (-) اللہ ان باتوں سے بہت پاک ہے جن باتوں کا وہ شرک کرتے ہیں یعنی ہر قسم کے شرک کے مضمون سے اللہ تعالیٰ منزہ ہے اور پاک ہے اور اس کا شرک ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے شرک محض خلا ہے۔ جہالت کا ہے۔ کچھ بھی نہیں ہے یونہی فرضی باتیں ہیں اس کے سوا کوئی بھی حقیقت نہیں (-) اللہ ان باتوں سے بہت بلند ہے جن باتوں میں اس کا شریک ٹھہرایا جا رہا ہے۔ سبحان کا یہ مضمون تفصیل کے ساتھ اب دوسری طرح سورۃ الروم میں کھول رہا ہے۔ یہاں فرمایا (-) اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک ہے جن میں شرک ٹھہرایا جا رہا ہے۔ وہ کون سی باتیں ہیں؟ ان باتوں کو یہ آیت کھولتی ہے۔ فرمایا (-) اللہ کی ذات کی پاکیزگی 'اس کی سبحانیت اس طرح تم پر کھلتی چلی جائے گی کہ جب تم صبح میں داخل ہو رہے ہو اور غور کرو تو صبح ہی خدا کی۔ اس کے سوا کوئی نہیں ہے جو اندھیروں سے روشنی میں لانے والا ہو۔ جب دن کی سختیوں سے رات کے آرام میں داخل ہو رہے ہو تو اس وقت بھی تمہیں یہی دکھائی دے گا کہ اللہ کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔ (-) اور جب تم ظہر کے وقت قیلولہ کرتے ہو یا دھوپ کی سختی سے درختوں کے سائے میں آتے ہو یا دن کی سردی سے دوپہر کی دھوپ میں آرام پاتے ہو تو ہر حالت میں تمہیں یہ دکھائی دے گا کہ وہ جو فاطر ہے اسی کی ذات میں پناہ ہے۔ اسی نے پناہ کا نظام قائم فرمایا ہے۔ اسی کا قانون ہے جو صبح بھی جاری ہے اور شام کو بھی جاری ہے اور دوپہر کو بھی جاری ہے تو سبحان کا مضمون بتاتا ہے کہ ان میں صرف ایک خدا ہی ہے اور خدا کے سوا کسی کا دخل ہی نہیں ہے۔ اب دنیا میں ایک دہریہ سائنس دان بھی یہ کہنے پر تو بہر حال مجبور ہے کہ اس نظام کائنات میں کسی اور کا ہاتھ نہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا بھی نہیں لیکن اس کا جھوٹ تو بالبداہت واضح ہے لیکن یہ تو اقرار کرتے ہیں کہ کوئی اور بہر حال نہیں۔ آئن سٹائن نے جب اس بات پر غور کیا تو وہ ان معنوں میں ضرور خدا کا قائل ہو گیا کہ ایسا کامل نظام 'کائنات میں ایسا توازن' اتنا خوبصورت توازن خدا کے سوا ہو نہیں سکتا۔ پس ان خدا دانوں میں سے وہ بھی ہے جن کو دن رات پر غور کرنے کے نتیجہ میں خدا کے متعلق اتنا سا علم تو ضرور ہو گیا کہ اس کائنات کا ایک پیدا کرنے والا ضرور ہونا چاہئے لیکن آئن سٹائن نے یہ نہیں کہا کہ صرف 'پیدا کرنے والا' وہ یہاں نہیں ٹھہرا بلکہ یہ جانتا ہے کہ اس کو MAINTAIN کرنے والا بھی ہے کیونکہ پیدا کر کے بھول جانے والا تو اس بات کا ضامن نہیں ہے کہ آئندہ یہ نظام اسی طرح جاری رہے۔ پس آئن سٹائن کے اس فقرے سے مجھ پر یہ تاثر ہوا کہ اتنا صاحب عقل ضرور تھا کہ کائنات پر غور کرنے کے نتیجہ میں ایک خالق کو ہی نہیں پہچانا بلکہ ایسے خالق کو پہچانا جس کا جاری نظام میں دخل ہے اور وہ اس بات پر نگران ہے کہ یہ توازن نہ بگڑے۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف تبتل کائنات پر غور کے نتیجہ میں بھی ہو سکتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ غور کے نتیجہ میں تبتل نصیب ہو۔ جب تک فطرت سے یہ آواز بلند نہ ہو کہ ہاں اے خالق! ہم تجھے پہچان گئے۔ تیرے سوا کوئی نہیں۔ اس وقت تک خدا کی ہستی کا یہ یقین عقل کی نشان دہی کرنے والا ایک معمولی سا مضمون تو ہے یعنی یقین اس بات کی نشان دہی تو کرتا ہے کہ صاحب عقل ہے لیکن ان اولوالالباب میں داخل نہیں ہے جو پھر اگلا قدم اٹھاتے ہیں اور راہی کائنات سے ہٹ کر اس کے وراء جو ہستی ہے جس نے سب کچھ پیدا کیا ہے اس کی طرف ان کی توجہ مائل ہوتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا صاحب ایمان ہونا ضروری ہے۔ پس تبتل کی مختلف قسمیں ہیں۔ آئندہ خطبہ میں میں تبتل کے مضمون پر (اللہ نے چاہا تو) مزید روشنی ڈالوں گا اور حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی احادیث کے حوالے سے ان آیات کی اور تشریحات آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ اب چونکہ وقت ختم رہا ہے اس لئے اجازت چاہتا ہوں۔

○

حالت کو مری دوستو! دیکھا نہ کریں آپ
اور دیکھ ہی لیں اس کو' تو چرچا نہ کریں آپ

دشوار بہت ہے رہ تحصیلِ تمنا
ہے سہل تر اس سے کہ تمنا نہ کریں آپ

رکھنا نہ قدم بھول کے بھی دشتِ جنوں میں
یا اس میں سفر بے سروساماں نہ کریں آپ

یہ روگ محبت کا تو اب دل کی غذا ہے
چارہ گرو! بیمار کو اچھا نہ کریں آپ

آتی ہے شبِ ہجر میں آواز کسی کی
راتوں کو مری یاد میں جاگا نہ کریں آپ

میں گیت جو گاتا ہوں تو ہے ان کو شکایت
یوں میری محبت کو تو رسوا نہ کریں آپ

ناہید قبول ان کو ہو جو نذرِ دل و جاں
پھر اس کے سوا اور تقاضا نہ کریں آپ

عبدالمنان ناہید

○

میں قرباں جاؤں اس شاہِ زمن پر
میں قرباں جاؤں اس رمزِ سخن پر
حصولِ علم ہے ایسا فریضہ
جو واجب ہے مسلماں مرد و زن پر

سعید احمد اعجاز

نعتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جس قلب کو بخشی ہے جِلا عشقِ نبیؐ نے
حاصِل اُسے دنیا میں ہیں تسکیں کے خزینے

اُس ذِکر سے روشن ہیں نگاہوں کے جزیرے
اُس نام سے آباد ہیں رُوحوں کے مدینے

جو اُن کے بتائے ہوئے رستے پہ نہیں ہیں
منجدھار میں ہیں آج تلک ان کے سفینے

آقاؐ! تیرے دروازے پہ آئے ہیں سوالی
اپنایا نہ اب تک جنہیں دُنیا میں کِسی نے

مَیں اُن کا ہوں دستک اُسی دروازے پہ دوں گا
اک روز بلائیں گے مجھے بھی وہ مدینے

مَیں اُن کو بتاؤں گا کہ اے رحمتِ عالمؐ!
دُنیاوی خدا اب مجھے دیتے نہیں جینے

کچھ بھی تو نہیں پاس تری نذر کو آقا
پلکوں پہ لئے آیا ہوں اَشکوں کے نگینے

سرکارِ دو عالمؐ نے سِکھائے مجھے ثاقب
طُوفانِ حوادث سے نِکلنے کے قرینے

ثاقب زیروی

نیک دل پاک طبع اور پاک خیال ہو کر زمین پر چلو

چاہئے کہ تمہاری مجلسوں میں کوئی ناپاکی اور ٹھٹھے اور ہنسی کا مشغلہ نہ ہو اور نیک دل اور پاک طبع اور پاک خیال ہو کر زمین پر چلو اور یاد رکھو کہ ہر ایک شر مقابلہ کے لائق نہیں ہوتا اس لئے لازم ہے کہ اکثر اوقات عفو اور درگزر کی عادت ڈالو اور صبر اور حلم سے کام لو اور کسی پر ناجائز طریق سے حملہ نہ کرو اور جذبات نفس کو دبائے رکھو۔

(حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ)

اے قوم! آنکھ کھول سنبھل ہوشیار ہو
ایسا نہ ہو کہ مکر و ستم کا شکار ہو

طوفان ہائے بحرِ حوادث سے خوف کیا
خوفِ خدا کو دل میں جگہ دے کہ پار ہو

میدانِ عشق و صدق بہت خار دار ہے
ایسا نہ ہو قبائے وفا تار تار ہو

پائے ثبات میں نہ ہو لغزش سنبھل کے چل
شرمندہ تجھ سے خود ستم روزگار ہو

سامانِ زیب و زینتِ دنیا ہوں نہ ہوں
سازِ جنونِ عشق سے تیرا سنگھار ہو

میدانِ کربلا میں تُو مردانہ وار آ
ہونے دے تیرِ ظلم اگر دل سے پار ہو

تُو فکرِ جان و مال نہ کر سب خدا پہ چھوڑ
صبر و رضائے حق پہ تیرا انحصار ہو

وہ کار ساز خود ہے بنائے گا تیرے کام
تُو اپنا کام کر کہ خدا غمگسار ہو

دنیا کی لذتوں سے نہ ڈرا اے شہیدِ عشق
عزت اسی میں ہے کہ فلک پر وقار ہو

یہ تیرے بانکپن کی مراسم میں ہیں شریک
طوق و رسن ہوں تیغِ جفا ہو کہ دار ہو

دنیا پھنسی ہوئی ہے قفس کے جال میں
تیری اگر مدد ہو تو یہ رستگار ہو

تُو مر کے ان مری ہوئی قوموں میں جان ڈال
تا زندہ دل شہیدوں میں تیرا شمار ہو

قربانیوں میں مال کی تم کو جھجک ہو کیوں
تم تو خدا کی فوج ہو اور جاں نثار ہو

جھونکوں میں تم خزاں کے چلو اور خوش رہو
تم زینتِ زمانہ ہو عالم بہار ہو

جو چاہو گے وہ ہوگا اگر متقی ہو تم
تم آزما کے دیکھ لو گر دیندار ہو

جور و ستم کی آندھیاں چڑھتی ہیں چڑھنے دو
صبر و سکوں سے کام لو گر ہوشیار ہو

ناپائیدار ہوتی ہے طوفاں کی زندگی
مومن کو کیا زوال اگر استوار ہو

تم صبر و شکر اور دعاؤں سے کام لو
جب تک نزولِ رحمتِ پروردگار ہو

ذوالفقار علی خان گوہر

دعا کی تحریک کے ساتھ

حضرت اُمّ طاہر (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی رہے)

(حضرت آپا جان)

صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب۔ خلف الرشید حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب

ایک زمانہ گزرا کہ مکرمی ملک صلاح الدین صاحب درویش قادیان نے مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں حضرت ام طاہر جن کو ہم گھر کے سب بچے آپا جان کہتے تھے کے بارے میں کچھ لکھوں۔ باوجود ارادہ کے یہ خواہش پوری نہ کرسکا۔ ان کی شخصیت کے مدنظر چاہتا تھا کہ کوئی مبسوط بحوالہ مضمون لکھوں۔ لیکن ملازمت کے تبادلوں اور مصروفیات میں کوئی ایسا ٹھکانہ نہ ملا جہاں تحقیق کی سہولت میسر ہوتی۔ آج بیماری کی وجہ سے بستر پر ہوں اور اپنی دیرینہ خواہش کو پورا کرنے کے لئے کچھ لکھنے بیٹھا ہوں۔ (اللہ کے سوا کوئی توفیق عطا کرنے والا نہیں)

زندگی میں بعض ایسے واقعات آتے ہیں جو ہمیشہ دماغ میں حاضر اور تازہ رہتے ہیں۔ چاہے کتنا زمانہ گذر جائے ان کی یاد محو نہیں ہوتی اور اس احساس سے قائم رہتی ہے کہ گویا یہ آج کل کا واقعہ ہے۔

میرا پہلا "تعارف" حضرت آپا جان سے ان کے نکاح کا منظر تھا۔ میں شاید آٹھ برس کے لگ بھگ ہوں گا جب ان کا نکاح حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی سے ہوا بیت مبارک قادیان اس کی توسیع سے پہلے بہت چھوٹی سی تھی۔ اس کے شمالی حصہ میں جو الدار کے ساتھ ملحق تھا ایک مختصر سے مجمع میں جو شاید چند نفوس پر مشتمل تھا حضرت سید سرور شاہ صاحب خطبہ نکاح پڑھا رہے تھے آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بیت المبارک کے ستون کے ساتھ لگایا ہوا تھا اور ایک ٹانگ دوسری ٹانگ کے ساتھ سہارے کی خاطر لگائے کھڑے تھے۔ حضور قریب ہی دوستوں کے حلقہ میں تشریف فرما تھے۔ خطبہ کا موضوع مجھے بالکل یاد نہیں نہ ہی ایجاب و قبول کا حصہ۔ لیکن باقی سب نقشہ اب بھی میری آنکھوں کے سامنے ترو تازہ ہے۔

دوسرا غیر تعارفانہ نظارہ رخصتی کا یاد ہے۔ حضرت سید عبدالستار شاہ صاحب ان دنوں اس مکان میں رہ رہے تھے جو غربی سڑک ریتی چھلے سے تعلیم الاسلام ہائی سکول اور اس کے بورڈنگ کی طرف جاتی تھی۔ نور ہسپتال کے بالکل قریب یہ پختہ مکان تھا۔ بارات کی آمد یا کوئی اور نظارہ بھی بالکل ذہن میں نہیں لیکن یہ خوب یاد ہے کہ حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی اور آپا جان ایک ٹانگہ پر بیٹھ کر قادیان کی جانب روانہ ہوئے اور یہ بھی خوب یاد ہے کہ ٹانگہ کے ساتھ ساتھ پیچھے حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی بھاگتے جا رہے تھے اور ہاتھ میں ان کے ایک گلاب پاش تھا جس میں اغلباً گلاب کا عرق تھا وہ چھڑکتے جا رہے تھے۔

حضرت آپا جان کا پہلا قیام الدار کے اس حصہ میں رہا جو حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کی رہائش گاہ کو جاتا تھا۔ اس صحن سے سیڑھیاں ڈاکٹر صاحب کے مکان اور حضرت حافظ روشن علی صاحب کے ملحقہ مکان کی طرف جاتی تھیں۔ دو کمروں کا گھر تھا۔ ایک سونے کا کمرہ اور ساتھ ہی ایک مختصر سی کوٹھری جس میں سامان وغیرہ رکھا جاتا تھا۔ صحن صرف اس قدر کہ اس میں تین چارپائیوں سے زائد کی گنجائش نہ تھی اور وہ حضرت اماں جان کے گھر سے ملحق تھا۔ غسل خانہ اور بیت الخلاء سونے کے کمرہ سے پرے صحن کے دوسری طرف تھے۔ غسل خانے میں ایک حمام تھا جو وضو یا نہانے کے لئے پانی سے بھرا ہوتا تھا۔ سونے کے کمرہ کی ایک کھڑکی اس گلی پر کھلتی تھی جو احمدیہ بازار سے حضرت اماں جان اور حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کے گھروں کی طرف جاتی تھی۔ کھڑکی کے سامنے بازار میں حضرت نور احمد افغانی کی "حکمت" کی دوکان تھی۔ بس حضرت آپا جان کا پہلا گھر اور مقام' یہ نہایت مختصر سا گھر تھا جو شاید اب بھی اس شکل میں موجود ہو۔ اس کے بعد دو مرتبہ ان کا مکان تبدیل ہوا اس کے بعد پہلے وہ اس حصہ میں گئیں جہاں ان سے پہلے حضرت آپا جان امتہ الحیٔ رہا کرتی تھیں اور جو بیت مبارک کے بالائی حصہ سے ملحق تھا اور تیسری مرتبہ اس حصہ میں گئیں جو ہمارے گھر کے اوپر بالائی حصہ تھا جس کے ساتھ نیچے بھی ایک کھلا صحن اور کچھ کمرے تھے جن میں ایک کمرہ اسی گلی میں کھلتا تھا جو بیت اقصیٰ کی طرف جاتی تھی اور ساتھ والے مکانات ہندو آبادی کے قبضہ میں تھے۔

میرے حضرت آپا جان سے تیسرے تعارف کی یاد بھی نہ بھولنے والی ٹھہری۔ میرے خیال میں ان کی شادی کے شروع کے ایام ہوں گے کہ میں اپنی والدہ کے ساتھ ہوں گا کہ آپا جان کے کمرہ میں زمین پر ہی سو گیا۔ گئی رات جب میری آنکھ کھلی تو کسی کی سسکیاں لینے کی رونے کی آواز آئی۔ اس کی دہشت مجھ پر ایسی تھی کہ یہ جرات نہ ہوئی کہ آنکھ پوری کھول کر یا اٹھ کر بیٹھ جاتا۔ آواز میں ایسا کرب تھا کہ ہمت نہ پڑتی تھی اور سر کو زمین سے اٹھائے بغیر کنکھیوں سے دیکھا کہ آپا جان تہجد بڑی رقت اور سوز سے ادا کر رہی تھیں۔

اب اس بچپنے کے زمانہ سے نکل کر ہمارا شعور کا زمانہ آتا ہے جس میں آپا جان سے گہرا جوڑ پیدا ہوا۔ بڑی محبت اور خاطر کرنے والی طبیعت تھی۔ بھائی منصور اور میں بہت مرتبہ اکٹھے ملنے جاتے بڑے پیار سے ملتیں اور بہت خاطر کرتیں۔ وقت کے مطابق چائے یا شربت خشک یا تازہ میوہ منگواتیں۔ بھائی منصور کو بھوک زیادہ لگتی تھی اور وہ بلا تکلف فرمائش بھی کر دیتے تھے کہ اس وقت کچھ کھانے کو دل چاہ رہا ہے اور گرم روٹی اور سالن آجاتا تھا۔ قریبی لگاؤ سے آپا جان کی بہت سی خصوصیات کا علم اور تجربہ ہوا ان میں نمایاں خصوصیات کا اختصار کے ساتھ ذکر کرتا ہوں۔

عبادات اور تلاوت میں خاص شغف تھا۔ فرض عبادات اور نوافل میں بڑا التزام' باقاعدگی اور بروقت ادائیگی اور تلاوت ایک عشق کا رنگ اختیار کر گئی تھی یہ وصف اور خصوصیت حضرت سید عبدالستار صاحب کے سارے بچوں میں آئی اور آپا جان کے سب بھائی بہنوں میں یہ شغف اور التزام قابل رشک تھا۔

غرباء اور بیماروں سے گہری ہمدردی رکھتی تھیں اور ان کے کام کرنے میں خاص خوشی محسوس کرتی تھیں۔ کسی معذور کو دیکھتیں تو بے ساختہ ان کی زبان سے یہ دعا جاری ہوتی "اے اللہ ہماری حفاظت فرما" سینکڑوں مرتبہ میں نے انہیں حقیقی درد کے ساتھ کہتے سنا۔

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی ساری اولاد سے بے پناہ محبت' لگاؤ رکھتیں اور احترام سے پیش آتیں۔ ہماری دونوں پھوپھیوں حضرت نواب مبارکہ بیگم اور حضرت امتہ الحفیظ بیگم سے بالخصوص زیادہ پیار تھا۔

سلسلہ کے کاموں میں گہری دلچسپی تھی اور جو کام سپرد ہو جائے اسے بڑے انہماک اور پوری ذمہ داری سے کرتیں اور اس کی تکمیل میں اپنے آرام بلکہ صحت تک کو خاطر میں نہ لاتیں۔ جب ختم کر لیں تو نڈھال ہو کر لیٹ جاتیں۔ گردے کی درد کا اکثر دورہ ہو جاتا تو گرم پانی کی بوتل لے کر لیٹ جاتیں۔ مجھے یاد ہے ایک مرتبہ درد گردہ کا شدید دورہ ڈلہوزی میں ہوا ہم ان دنوں حضور کے ساتھ ہی کچھ روز کے لئے آئے ہوئے تھے۔ رات کا اکثر حصہ میں نے ان کی تیمارداری میں گذارا۔ بڑی تکلیف میں تھیں۔ بار بار گرم پانی کی بوتل کا پانی بدلتا رہا اور جو دوائیاں تجویز ہوئی تھیں۔ وہ دیتا رہا۔ حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی وقفہ وقفہ کے بعد تشریف لاتے۔ طبیعت پوچھتے۔ ہومیو پیتھک دوائیوں میں رد و بدل یا اضافہ فرماتے اور کچھ دیر کمرہ میں ٹہل کر واپس اپنے کام کی طرف لوٹ جاتے۔ آپا جان کے کام کا یہ رنگ تمام اہم کاموں کی تکمیل میں نظر آتا۔ انتظامی قابلیت بھی خدا نے خوب عطا کی تھی اور اس کا صحیح مصرف کرتیں اور کام میں شامل مستورات کو ساتھ لے کر چلتیں اور ان کا پورا تعاون حاصل کرتیں۔

حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی جب کسی خاص تقریب سے یا جلسہ کے ایام میں طویل تقریر کے بعد جو شروع میں بغیر لاؤڈ سپیکر کے پانچ پانچ چھ چھ گھنٹے بعض مرتبہ جاری رہتیں جب واپس آتے تو آپا جان دروازہ پر کھڑی ان کا استقبال کرتیں اور گرم چائے یا قہوہ اور پھل پیش کرتیں اور دبانے کا التزام فرمایا کرتیں کہ بعض دفعہ حضور فرماتے کہ پانچ چھ گھنٹے مسلسل تقریر کے لئے کھڑا رہنے سے لاتیں یوں محسوس

حبوب مفید اٹھرا | ۲۰ گرام ۲۶/- | ۴۰ گرام ۴۶/-

اکسیر اولاد نرینہ (مکمل کورس) ۱۵۰/- روپے

زوجام عشق خاص ۶۰۰/- روپے

روشن کاجل ۵/- روپے

تریاق معدہ ۱۲/- روپے ۲۴/- روپے

دوا تدبیر ہے اور دعا اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب کرتی ہے

ناصر دواخانہ (رجسٹرڈ) ربوہ

فون ۲۱۱۴۳۴ ۲۱۲۴۳۴

پاکستان میں سب سے پہلے واشنگ مشین بنانے والوں کی ایک اور منفرد اور انقلابی پیشکش

Soby

صوبی واشنگ مشین

بھائی بھائی ٹریڈرز نزد ایوان محمود ربوہ

آپکا تعاون ہماری کامیابی

○ ۔ اٹلس اور جنرل کے گیزر دستیاب ہیں

امریکن تھرموسٹیٹ کے ساتھ بعد از فروخت سروس کی ضمانت ربوہ میں پہلی بار

خالد سینیٹری ورکس کالج روڈ ربوہ

فون : ۲۱۱۲۲۵

سرمہ طفیل رجسٹرڈ ● عرق نور

کورس ۳ شیشی — معدہ کیلئے مفید

قیمت -/۱۲ — قیمت -/۲۰

مرض مریض کی نبض دیکھ کر بتائی جاتی ہے

حکیم محمد طفیل ۵/۲ کوارٹر گولبازار ربوہ

فون ۲۰۴

چکن کڑاہی، چرغہ کڑاہی کا اعلیٰ معیار پیش کرنے کے بعد

اب ایک اور نئی فخریہ پیشکش بوٹی کباب اور چپس

لذیذ چرغہ ہاؤس اقصیٰ روڈ ربوہ

پروپرائٹر: چوہدری محمد سلیم

فون: دکان: ۹۱۸ گھر: ۲۱۲۲۰۱

جدید ترین — باسہولت

لال پمپ

عزیز پمپ

مکمل گارنٹی۔ مکمل میٹریل۔ بورنگ اور تسلی بخش فٹنگ کی سہولت کیساتھ پیش کرتے ہیں

خان سینیٹری ورکس اقصیٰ روڈ ربوہ

فون ۸۳۱

وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ

ڈش انٹینا سائز 12 فٹ

WAZ-SATELLITE SYSTEM

معیاری گارنٹی شدہ ریسیور اعلیٰ کوالٹی۔ تصویر۔ آواز بالکل صاف۔ ہر لحاظ سے ذمہ داری

رابطہ کیلئے: میاں حنیف احمد احمدیہ منزل وزیر آباد کارخانہ حاجی پورہ

فون: (0437) 2644 3024 3068

کوساکو لاایجنسی

راولپنڈی: میاں سعید احمد 051/429771

دانتوں کا معائنہ مفت

احمد ڈینٹل کلینک ربوہ

طارق مارکیٹ اقصیٰ چوک

ڈینٹسٹ رانا مدثر احمد ۴ بجے تا ۸ بجے شام

یرقان دور

کورس -/۱۰۰ مع خرچ

ہومیو ڈاکٹر خلیل احمد قریشی

پتہ FS ۱/۳۷ ملیر کراچی

بہترین زیورات کی بنوائی کے لئے ہماری خدمات حاصل کریں

المبارک جیولرز

سی بلاک ... اوکاڑہ

فون: ۰۴۴۲-۳۸۲۴۴۴ پروپرائیٹر مبارک احمد

ہر سائز، ہر قسم فریج، ڈیپ فریزر، ٹی وی، واشنگ مشین بازار سے بارعایت خریدنے کیلئے

عثمان الیکٹرونکس

۱۔ لنک میکلوڈ روڈ لاہور پر تشریف لائیں

فون: ۷۲۲۳۲۰۴ - ۷۲۳۱۶۸۰

۷۲۳۱۶۸۱

نیو جالندھر رائس فیکٹری

بہترین معیاری چاول

بکر روڈ نزد خالد کولڈ سٹوریج جھنگ

فون دفتر: ۳۶۹۶ گھر: ۴۴۹۶

پروپرائیٹر محمد عثمان، نعمان احمد

رانا وسیم ٹینٹ ہاؤس قلعہ کالروالہ

رانا سٹیل ہاؤس (سیالکوٹ)

رفیق دری ہاؤس حق بازار اوکاڑہ

فون: ۰۴۴۲-۲۹۳۳۴۴

ہوالشافی

جرمنی کی سیل بند خالص اور بے ضرر ہومیو پیتھک اجزاء پر مشتمل معدہ کی پرانی تکالیف اور ہاضمے کی مستقل خرابی کا علاج

قیمت ML ۳۰/اونس -/۶۰

جرمن ہومیو ہاضمین GH-20 (قطرے)

درج ذیل حالات میں نہایت مؤثر ہے:۔

● ۔ بد ہضمی، اپھارہ، گیس، ڈکاریں، معدہ و پیٹ کی درد کیلئے

● ۔ متلی، ہچکی، حاملہ عورتوں اور پیٹ کی امراض کیلئے

● ۔ بھوک کی کمی، قبض اور دن بھر بیٹھ کر کام کرنے والوں کیلئے

درج ذیل پتہ پر بھی دستیاب ہے

● چوہدری سپر سٹور ۳ یونیورسٹی روڈ رحمان کالونی ربوہ

● پراپرٹی مرکز ۲ بلال مارکیٹ اقصیٰ ربوہ

فون: ۲۱۲۳۹۹

عزیز ہومیو پیتھک کلینک فون: ۲۱۱۳۹۹

یونیورسٹی روڈ رحمان کالونی ربوہ

ہاؤس وائرنگ اینڈ عارضی لائٹ کا واحد مرکز

ڈیلر: ٹیوب لائٹ مکمل، داتا کیبل، بیکلائٹ شیٹ، پلاسٹک شیٹ، واشنگ مشین

فین، موٹر کے سپیئر پارٹس مناسب ریٹ پر دستیاب ہیں

نیز استری، واشنگ مشین، گیزر، موٹر کی مرمت بھی تسلی بخش کی جاتی ہے

چوہدری الیکٹرک سٹور نزد اقصیٰ چوک کالج روڈ ربوہ

فون: ۲۱۱۲۲۵ پی پی

ہوتی تھیں کہ گویا چہکرکی ہیں اور ان میں کوئی حس باقی نہیں رہی۔ تقریر پر خوشی کا اظہار بھی کرتیں اور مبارک باد بھی دیتیں۔

حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی سے ایک طرف بے حد پیار اور دوسری طرف بے حد ادب اور احترام کا خوشنما امتزاج تھا۔ جب حضرت آپا جان سارہ فوت ہوئیں اور ان کی وفات حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی کی غیر موجودگی میں ہوئی حضور نے ان کی وفات پر ایک درد ناک مضمون الفضل کے لئے لکھا پڑھ کر فرمانے لگیں "اگر میری وفات پر حضور ایسا مضمون لکھیں تو میں آج مرنے کو تیار ہوں۔"

اولاد کے بارے میں بڑی خواہش اور دعا تھی کہ وہ دین کی خادم ہو اس کا اظہار بہت مرتبہ کرتیں اور اس کے لئے بڑے درد سے دعائیں کرتیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس دعا کو کیا پایہ قبولیت بخشا اور حضرت آپا جان کے "طاری" پر اللہ تعالیٰ کے انتخاب کی نظر پڑی اور کس شان اور صفائی سے اس نے غیروں کو بھی قائل کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب میں کوئی کمی یا نقص ہر گز نہیں ہو سکتا۔

حضرت آپا جان کی ایک خصوصیت اور شان بالکل نرالی ہے اور وہ یہ کہ آپ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی دو مرتبہ بہو بنیں۔ پہلی دفعہ جب ایک مصلحت کے تحت آپ کا نکاح حضرت بانی سلسلہ کے سب سے چھوٹے بیٹے صاحبزادہ مرزا مبارک احمد سے ہوا جو نو عمری میں اللہ کو پیارے ہو گئے اور دوسرا حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی سے۔ خدا کی تقدیر یہی چاہتی تھی کہ اس کی تدبیر میں امامت کے مقام پر جو شخص منتخب ہو وہ آپا جان کے بطن سے اس عظیم الشان انسان کا بیٹا ہو جس نے اللہ تعالیٰ سے ایک عظیم خطاب پانا تھا جسے اللہ نے اپنی طرف سے نور اور حُسن و احسان میں (حضرت بانی سلسلہ) کا نظیر قرار دیا۔ کیا خوش بختی اور الٰہی احسان تھا۔

حضرت آپا جان کی آخری بیماری لمبی اور تکلیف دہ تھی لاہور میں لیڈی ولنگڈن ہسپتال میں زیر علاج رہیں اور حضور کا ان دنوں ایک قدم لاہور اور ایک قدم قادیان میں رہا مسلسل آنا جانا رہا۔ ہم ان دنوں خانیوال میں متعین تھے۔ تیمارداری کے لئے لاہور آئے مل کر بہت خوش ہوئیں اور باوجود تکلیف میں ہونے کے چہرہ پر بشاشت اور خوشی کا اظہار تھا۔ وفات کے وقت ہم حاضر نہ تھے۔ اچانک لاہور سے اطلاع آئی تو میری بیوی امتہ القیوم بیگم نے ایک درد بھری آہ بھری "ہائے میری آپا جان"۔ ان کی اپنی والدہ حضرت آپا جان امتہ الحی کی وفات کے بعد حضور نے دونوں بچیوں اور نوزائدہ بچے خلیل احمد کو پرورش کے لئے آپا جان کے سپرد کیا اور ان کی پرورش میں خود تمام وقت غیر معمولی دلچسپی لی۔ حضرت آپا جان کی وفات پر سب سے پہلا کام حضور کا یہ تھا کہ آپ نے سجدہ شکر ادا کیا کہ باوجود اس لمبی تکلیف کے حضرت آپا جان نے کمال صبر اور شکر سے وقت گذارا اور کسی وقت بھی کوئی کلمہ ناشکری کا زبان پر نہ لائیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان کا ورد ہی رہا۔

تدفین سے پہلے جنازہ قادیان میں حضرت آپا جان کے رہائشی مکان کے نچلے صحن میں رکھا گیا۔ میری آنکھوں کے سامنے آج بھی حضور کا دعاؤں میں مصروف شرقاً غرباً روانگی کی تیاری میں ٹہلنا یاد ہے۔ بڑی آہستہ آہستہ ٹہل رہے تھے اور گلے میں سفید رنگ کا گرم مفلر تھا۔ جنازہ کو لحد میں اتارتے وقت میں حضور کے دائیں طرف ساتھ تھا آپ آہستہ لیکن سوز بھری آواز میں کچھ پڑھتے جاتے تھے۔ آواز دھیمی تھی اور مجھے صرف یہ الفاظ بار بار سنائی دے رہے تھے۔ قبولاً حسناً۔ تدفین کے بعد ایک بڑے مجمع کے ساتھ قبر پر دعا کر کے واپس تشریف لے گئے۔ اس کے بعد چالیس روز تک روزانہ عصر کے بعد بہشتی مقبرہ تشریف لے جاتے اور حضرت آپا جان کی قبر پر دعا کر کے واپس تشریف لاتے۔

حضرت آپا جان کی طبیعت بڑی پُر رونق اور رونق بخش تھی جس مجلس میں بیٹھتی تھیں اس کی روح رواں بن جاتی تھیں۔ اس کا خوبصورت نقشہ حضرت نواب مبارکہ بیگم کے ایک نایاب شعر سے ظاہر ہوتا ہے جو آپا جان کی وفات کے موقعہ پر انہوں نے کہا۔

تیرے بغیر غم میں بھی تیرے مزا نہیں
سونی ہے تیری محفل ماتم تیرے بغیر

لیجئے آپا جان اب رخصت لیتا ہوں چند گھڑیاں آپ کی پیاری یاد اور صحبت میں گذارنے کی میسر آگئیں۔ عرش بریں سے اپنی توقعات سے کہیں آگے اپنی دردمندانہ دعاؤں کے ثمر کا پُر لطف نظارہ کریں اور دعاؤں کو جاری رکھیں کہ خدا کی تقدیر تیزی سے حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی اور آپ دونوں کے بیٹے کو الٰہی تقدیر پھولنے پھلنے اور بڑھاتے جانے کی توفیق دیتا چلا جائے۔

حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی اور آپ کے تحفہ کا میں کس زبان سے شکر ادا کروں۔ میرا رؤاں رؤاں اس احسان کے تلے دبا ہوا ہے اور میری ساری خوشیوں کا مرکز آپ کا یہ بے بہا تحفہ ہے اللہ آپ کو اس کا اجر عظیم دے اور میری ستاری فرمائے۔

حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر

سیدنا حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی سیرت کی روشنی میں

تربیت اولاد

تربیت اولاد سے محض یہ مراد نہیں کہ اولاد کو دنیوی جاہ و منصب کے حصول کے لئے تیار کیا جائے۔ بلکہ دین کی روشنی میں دینی اخلاق و آداب کے شروع سے ہی سکھانا مراد ہے اور اس میں دینی تعلیم کا کماحقہ "آگاہ کرنا" آداب معیشت" آداب محفل" عبادات کی پابندی آداب گفتگو" آداب معاشرہ" قانون کی تعظیم و تکریم" دیانت داری" فرائض منصبی کی ادائیگی" محنت کشی" لوگوں کو نفع پہنچانا اور ان سے حسن معاملہ کرنا۔ یہ باتیں تربیت اولاد میں شامل ہیں اور خود بخود یہ باتیں پیدا نہیں ہو سکتیں بلکہ پوری محنت اور کوشش چاہتی ہیں اور ان امور کی ذمہ داری والدین رشتہ داروں" دوستوں اور استادوں پر عائد ہوتی ہے۔

اس مضمون کی اہمیت واضح ہے۔ موجودہ زمانے میں مغربی فلسفہ اور الحاد زوروں پر ہے جس کا اثر نوجوانوں پر پڑ رہا ہے اور وہ دین کی تعلیم سے بیگانہ اور دینی معاشرے کی ضروریات سے بے خبر ہیں۔

اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ اور فن و ہنر میں ممتاز اشخاص بھی دین کے معمولی مسائل سے بے خبر پائے جاتے ہیں اور تربیت نہ ہونے کی وجہ سے اور دینی تعلیمات سے ناواقفی کی وجہ سے وہ مغرب زدہ ہو چکے ہیں جو تعلیم سکولوں اور کالجوں میں دی جاتی ہے اس میں اکثر اس بات کو مدنظر نہیں رکھا جاتا کہ دینی تعلیم کیا ہے اور ہمارے نوجوانوں سے ملک و ملت کو کیا توقعات ہیں۔ ان امور کے پیش نظر ضروری ہے کہ تربیت اولاد کے فلسفہ کو دینی نقطہ نظر سے سمجھا جائے اور اپنی اولادوں کو اس کے مطابق ڈھالا جائے۔ ان امور سے غفلت اور لاپرواہی کے بعض خطرناک اور ناگوار نتائج ہمارے سامنے ہیں :-

○ بعض اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ دینی تعلیم سے بے خبر ہوتے ہیں یا دین کو ایک قصہ ماضی سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ یہ بر خود غلط لوگ اس بات کو ضروری نہیں سمجھتے کہ جہاں انہوں نے ایک عمر مغربی فلسفہ اور مغربی تعلیم حاصل کرنے میں صرف کی ہے، کبھی دین کی طرف توجہ کریں۔ جہاں تک دینی تعلیمات کا تعلق ہے یہ تختی صاف اور کاغذ کورا ہوتا ہے۔ اور ہر غلط نقش کو قبول کرنے کے لئے مستعد۔

○ ایسے واقعات بھی ہمارے سامنے ہیں کہ اعلیٰ تعلیم کے باوجود ناگفتنی امور میں ملوث ہو جانا اور پھر خود کشی تک اختیار کرنا ان لوگوں کے نزدیک جائز ہوتا ہے۔

○ بعض اعلیٰ تعلیم یافتہ والدین اور اساتذہ کے حقوق سے محض بیگانہ ہوتے ہیں۔

○ بعض گھرانوں میں اولاد وبال بن جاتی ہے۔ اور باپ بیٹے کو عاق کرنے کا اشتہار دیتا ہے۔

○ بعض اعلیٰ تعلیم یافتہ اشخاص میں دیانت داری فرض منصبی کی ادائیگی کا فقدان ہوتا ہے۔

○ مروجہ تعلیم میں اس بات کو کم مد نظر رکھا جاتا ہے کہ دین حق کے اصولوں پر مبنی معاشرے کے اندر انفرادی ترقی مقصود بالذات نہیں بلکہ ہر فرد پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ملک و ملت اور معاشرے کے لئے ایک ایثار پیشہ اور مفید وجود ثابت ہو یعنی کلام الٰہی کی تعلیم اجتماعی زندگی اور اجتماعی ترقی پر زور دیتی ہے اور یہ تمام تعلیمات اس منزل کی طرف راہنمائی کرتی ہیں۔

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے تربیت اولاد کے متعلق واضح اور روشن ہدایات ہمیں عطا فرمائی ہیں اور حضور کے اپنا نمونہ اور عمل اس بارے میں ہمارے لئے مشعل ہدایت اور شحنہ راہ ہے اور حضور کے کلمات اور ملفوظات کا کچھ حصہ زیر نظر مضمون میں بیان کیا جا رہا ہے۔

ہمارے دین کی تعلیم کے مطابق بچے کے پیدا ہوتے ہی اس کی تربیت کا آغاز ہو جاتا ہے اور نوزائیدہ بچے کے کان میں توحید و رسالت کی آواز پہنچائی جاتی ہے۔ سات برس کے بچے کو "عبادت" کی تاکید اور دس برس کے بچے کے لئے اس کی فرضیت کی تعلیم دی جاتی ہے۔

اولاد کے قرۃ العین ہونے کے لئے دعا اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھائی ہے۔ اور اولاد کا قرۃ العین ہونا اس کے پابند "عبادت" ہونے کو چاہتا ہے۔ لیکن کہاں ہے یہ معاشرہ اور کہاں نہیں ہے یہ معاشرہ' یہ بات غور و فکر کے قابل ہے۔ اولاد اگر پابند "عبادت" ہو تو گھرانہ اس دنیا میں ایک جنت کا نمونہ بن جاتا ہے۔ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے طفولیت کے زمانہ سے ہی تربیت اولاد کی تاکید فرمائی ہے۔ فرمایا۔

"دینی علوم کی تحصیل کے لئے طفولیت کا زمانہ بہت ہی مناسب اور موزوں ہے جب داڑھی نکل آئی تب ضرب۔ مضرب یاد کرنے بیٹھے تو کیا خاک ہو گا۔ طفولیت کا حافظہ تیز ہوتا ہے۔ انسانی عمر کے کسی دوسرے حصے میں ایسا حافظہ کبھی نہیں ہوتا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ طفولیت کی بعض باتیں تو اب تک یاد ہیں لیکن پندرہ برس پہلے کی اکثر باتیں یاد نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی عمر میں علم کے نقوش ایسے طور پر اپنی جگہ کر لیتے ہیں اور قویٰ کے نشوونما کی عمر ہونے کے باعث ایسے دلنشیں ہو جاتے ہیں کہ پھر ضائع نہیں ہو سکتے"۔

(تقریر جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء)

نیز فرمایا۔

"تعلیمی طریق میں اس امر کا لحاظ اور خاص توجہ چاہئے کہ دینی تعلیم ابتداء سے ہی ہو اور میری ابتداء سے یہی خواہش رہی ہے اور اب بھی ہے' اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرے دیکھو تمہاری ہمسایہ قوموں یعنی آریوں نے کس قدر حیثیت تعلیم کے لئے بنائی تھی۔ کئی لاکھ سے زیادہ روپیہ جمع کر لیا۔ کالج کی عالی شان عمارت اور سامان بھی پیدا کیا۔ اگر...... پورے طور پر اپنے بچوں کی طرف توجہ نہ کریں تو میری بات سن رکھیں کہ ایک وقت ان کے ہاتھ سے بچے بھی جاتے رہیں گے"۔

حضور بچپن میں ہی اپنی اولاد کو بڑوں کا ادب لحاظ سکھاتے تھے ایک مرتبہ بچپن کے زمانہ میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے اپنے ساتھ والے لڑکے سے کہا "دیکھو وہ نظام دین کا مکان ہے" اس پر حضور نے نصیحت فرمائی اور ٹوک دیا۔ فرمایا۔

"میاں آخر وہ تمہارا چچا ہے" اس طرح نام نہیں لیا کرتے"۔

ایک مرتبہ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب سے بچپن میں کلام الٰہی کی کوئی بے حرمتی ہو گئی۔ اس پر حضرت بانی سلسلہ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور آپ نے صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کے شانہ پر طمانچہ مارا۔ گویا حضور نے بچپن سے ہی اخلاق کی نگہداشت لازمی قرار دی ہے۔

بعض والدین نہایت سخت گیر ہوتے ہیں اور بچے کو مارنا پیٹنا ان کا معمول ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس بعض والدین بچے کے ساتھ اتنا لاڈ پیار کرتے ہیں کہ بچے بگڑ جاتے ہیں۔ صحیح راستہ ان دونوں کے درمیان ہے امر اول کے متعلق حضور کا ایک وقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔

ایک مرتبہ ایک دوست نے اپنے بچے کو مارا۔ حضور نے اسے بلایا اور ایک بڑی درد انگیز تقریر فرمائی۔ فرمایا۔ میرے نزدیک بچوں کو یوں مارنا شرک میں داخل ہے۔ گویا بدمزاج مارنے والا ہدایت اور ربوبیت میں اپنے تئیں حصہ دار بنانا چاہتا ہے۔ ایک جوش والا آدمی جب کسی بات پر سزا دیتا ہے تو اشتعال میں بڑھتے بڑھتے ایک دشمن کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور جرم کی حد سے سزا میں کوسوں تجاوز کر جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص خود دار اور اپنے نفس کی باگ کو قابو سے نہ دینے والا اور پورا متحمل اور بردبار اور باسکون اور باوقار ہو تو اسے البتہ حق پہنچتا ہے کہ کسی وقت مناسب پر کسی حد تک بچے کو سزا دے یا چشم نمائی کرے مگر مغضوب الغضب اور سبک سر اور طائش العقل ہرگز سزاوار نہیں کہ بچوں کی تربیت کا متکفل ہو۔ جس طرح اور جس قدر سزا دینے میں کوشش کی جاتی ہے کاش دعا میں لگ جائیں اور بچوں کے لئے سوز دل سے دعا کرنے کو ایک حزب مقرر کر لیں اس لئے کہ والدین کی دعا کو بچوں کے حق میں خاص قبول بخشا گیا ہے۔ میں التزاما" چند دعائیں ہر روز مانگتا ہوں۔

اول۔ اپنے نفس کے لئے دعا مانگتا ہوں کہ خداوند کریم مجھ سے وہ کام لے جس سے اس کی عزت و جلال ظاہر ہو اور اپنی رضا کی پوری توفیق دے۔

دوم۔ پھر اپنے گھر کے لوگوں کے لئے دعا مانگتا ہوں کہ ان سے قرۃ العین (اولاد) عطا ہو اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات کی راہ پر چلیں۔

سوم۔ پھر اپنے بچوں کے لئے دعا مانگتا ہوں کہ

یہ سب دین کے خادم بنیں۔

چہارم = پھر اپنے مخلص دوستوں کے لئے نام بنام۔

پنجم = پھر ان سب کے لئے جو اس سلسلے سے وابستہ ہیں خواہ ہم انہیں جانتے ہیں یا نہیں جانتے۔

حضور بچوں پر سخت گیر نہ تھے اور کبھی کبھی اپنے بچوں کو پیار سے چھیڑا بھی کرتے تھے اور اس طرح سے کہ کبھی کسی بچے کا پہنچہ پکڑ لیا اور کوئی بات نہ کی خاموش ہو رہے۔ یا بچہ لیٹا ہوا ہے تو اس کا پاؤں پکڑ کر اس کے تلوے سہلانے لگے۔ بچوں کی غلطی پر حضور متوکلاً علی اللہ عفو و درگذر سے کام لیتے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی جبکہ ان کی عمر چار برس کی تھی بہت سے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے اور اسی اثناء میں انہوں نے حضرت بانی سلسلہ کے ایک نہایت ضروری مسودے کو دیا سلائی دکھادی اور مسودہ جل کر راکھ ہو گیا۔ حضور مضمون لکھ رہے تھے اور جب سیاق عبارت کے لئے ضرورت پڑی تو مضمون کی تلاش ہوئی اور سب لوگ حیران اور فکر مند تھے کہ اب کیا ہو گا۔ اور ایک نہایت ناگوار نظارے کا پیش آنا گھر والوں کو متوقع تھا۔ لیکن جب حضور کو معلوم ہوا کہ مسودہ جل چکا ہے تو حضور نے مسکرا کر فرمایا۔

"خوب ہوا اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی بڑی مصلحت ہو گی اور اب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس سے بہتر مضمون ہمیں سمجھائے"۔

مندرجہ بالا واقعہ جس قدر سبق آموز اور تربیت اولاد کے اصولوں میں سے ایک اصول کو واضح کرنے والا ہے۔ وہ ظاہر و باہر ہے۔

اسی طرح یہ بھی واقعہ ہے کہ حضور تنہائی میں کوئی کتاب لکھ رہے ہیں اور اپنی عادت کے مطابق حضور نے دروازہ بند کیا ہوا ہے اور کسی بچے نے دستک دی "ابا بوا کھول" حضور نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا اور یکے بعد دیگرے دو دو چار چار منٹ کے بعد اسی طرح بچے کا دستک دینا اور حضور کا دروازے کو کھول دینا اور اطمینان اور بشاشت سے یہ باتیں برداشت کرنا اور کوئی زجر و توبیخ نہ کرنا والدین کے لئے ایک اسوۂ حسنہ ہے۔ اسی طرح بچوں پر حضور کا تلطف اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ حضور چارپائی پر بیٹھے ہیں اور بچوں نے رفتہ رفتہ حضور کو پائنتی پر بٹھا دیا اور اپنے بچپنے کی بولی میں مینڈک کوے اور چڑیا کی کہانی سنا رہے ہیں اور حضور بڑی خوشی سے یہ کہانیاں سنتے جا رہے ہیں بچہ بعض اوقات ضد میں آجاتا ہے۔ بال ہٹ ضرب المثل ہے۔ ایسے موقعہ پر بعض والدین بچے کو مار پیٹ کر درست کرنا چاہتے ہیں اور اگر رو رہا ہے تو اسے زبردستی چپ کرانا چاہتے ہیں بعض مائیں ایسے وقت بچے کو بے تحاشہ مار پیٹ کرنے لگتی ہیں اور سیر ہو کر ان پر غصہ نکالتی ہیں۔ یہ عدم تحمل اور بے صبری کا نتیجہ ہوتا ہے۔ حضور کا نمونہ ایسے موقعہ پر ہمارے سامنے ہے۔

لدھیانہ کا واقعہ ہے کہ حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی کوئی تین برس کے تھے اور آدھی رات کے وقت رونے لگے اور روتے چلے گئے۔ حضور بچے کو گود میں لئے بہلاتے رہے اور بچہ ہے کہ چپ ہونے میں نہیں آتا بچے کی توجہ کو پھیرنے کے لئے حضور نے فرمایا "دیکھو محمود وہ کیسا تارا ہے"۔ بچہ ذرا چپ ہوا اور پھر رونے اور چلانے لگا اور کہنا شروع کیا کہ "ابا تارے جانا" اور حضور اپنے آپ سے فرما رہے تھے "یہ اچھا ہوا، ہم نے تو ایک راہ نکالی تھی اس نے اس میں سے بھی اپنی ضد کی راہ نکال لی"۔ آخر بچہ تھک کر خاموش ہو گیا لیکن اس تمام عرصہ میں ایک لفظ بھی سختی اور شکایت کا حضور کے منہ سے نہیں نکلا۔

حضور بچوں کو سزا دینے کے سخت مخالف تھے۔ کسی استاد کے متعلق یہ شکایت پہنچی کہ وہ بچوں کو مارتا ہے تو حضور اس پر ناراض ہوئے اور فرمایا کہ جو استاد بچوں کو مار کر تعلیم دینا چاہتا ہے یہ دراصل اس کی اپنی نالائقی ہوتی ہے اور فرماتے تھے کہ دانا اور عقل مند استاد جو کام حکمت سے لے لیتا ہے وہ کام نالائق استاد مارنے سے لینا چاہتا ہے۔

ایک دفعہ ایک استاد نے ایک بچے کو کچھ سزا دی تو حضور نے سختی سے فرمایا کہ اگر پھر ایسا ہوا تو ہم اس استاد کو مدرسہ سے الگ کر دیں گے حالانکہ وہ استاد بڑا مخلص تھا اور حضور کو بھی اس سے بڑی محبت تھی۔ حضور فرماتے تھے کہ استاد عموماً اپنے غصہ کے اظہار کے لئے مارتے ہیں اور فرماتے جب تک اولاد کی خواہش محض اس غرض کے لئے نہ ہو کہ وہ دیندار اور متقی ہو اور خدا تعالیٰ کی فرمانبردار ہو کر اس کے دین کی خادم بنے یہ خواہش فضول اور معصیت ہے اور باقیات صالحات کے بجائے باقیات سیئات کا نام ایسی اولاد کے لئے جائز ہو گا اور نیز حضور نے فرمایا کہ صالح اور متقی اولاد کی خواہش سے پہلے ضروری ہے کہ وہ خود اپنی اصلاح کرے اور اپنی زندگی کو متقیانہ بنا دے۔ تب اس کی ایسی خواہش ایک نتیجہ خیز خواہش ہو گی اور ایسی اولاد حقیقت میں اس قابل ہو گی کہ اس کو الباقیات الصالحات کا مصداق کہیں۔ لیکن اگر یہ خواہش صرف اس لئے ہو کہ ہمارا نام باقی رہے اور وہ ہمارے املاک و اسباب کی وارث ہو یا وہ بڑی نامور اور مشہور ہو اس قسم کی خواہش میرے نزدیک شرک ہے۔

(ملفوظات جلد ۲ ص ۳۷۰)

فرمایا مجھے اپنی اولاد کے متعلق کبھی خواہش نہیں ہوئی کہ وہ بڑے بڑے دنیادار بنیں اور اعلیٰ عہدوں پر پہنچ کر مامور ہوں۔ نیز فرمایا جو اولاد معصیت اور فسق کی زندگی بسر کرنے والی ہو اس کی نسبت شیخ سعدی کا یہ قول صحیح معلوم ہوتا ہے کہ پیش از پدر مردہ بہ ناخلف فرمایا۔ کلام الٰہی نے بیان فرمایا ہے:

یعنی خدا تعالیٰ ہم کو ہماری بیویوں اور بچوں سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرمادے اور یہ تب میسر آسکتی ہے کہ وہ فسق و فجور کی زندگی بسر کرنے والے نہ ہوں بلکہ عباد الرحمٰن کی زندگی بسر کرنے والے ہوں اور خدا کو ہر شے پر مقدم کرنے والے ہوں۔

آگے کھول کر کہہ دیا اگر نیک اور متقی ہو تو یہ ان کا امام بھی ہو گا۔ اس سے گویا متقی کی بھی دعا ہے۔ فرمایا:

"بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ اولاد کے لئے کوئی مال چھوڑنا چاہئے۔ مجھے حیرت ہے کہ مال چھوڑنے کا تو ان کو خیال آتا ہے مگر یہ خیال ان کو نہیں آتا کہ اولاد صالح ہو، طالع نہ ہو"

فرمایا:۔

"بعض اوقات ایسے لوگ اولاد کے لئے مال جمع کرتے ہیں اور اولاد کی صلاحیت کی فکر اور پروا نہیں کرتے وہ اپنی زندگی میں اولاد کے ہاتھ سے نالاں ہوتے ہیں اور اس کی بداطواریوں سے مشکلات میں پڑ جاتے ہیں۔ اور وہ مال جو انہوں نے خدا جانے کن کن حیلوں اور طریقوں سے جمع کیا تھا آخر بدکاری اور شراب خوری میں صرف ہوتا اور وہ اولاد ایسے ماں باپ کے لئے شرارت اور بدمعاشی کی وارث ہوتی ہے"

فرمایا:

"اولاد کا ابتلاء بھی بہت بڑا ابتلاء ہے۔ اگر اولاد صالح ہو تو پھر کس بات کی پروا ہو سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے (۔) یعنی اللہ تعالیٰ آپ صالحین کا متولی اور متکفل ہوتا ہے اور اگر (اولاد) بدبخت ہے تو خواہ لاکھوں روپیہ اس کے لئے چھوڑ جاؤ وہ بدکاریوں میں تباہ کر کے پھر قلاش ہو جائے گی اور ان مصائب اور مشکلات میں پڑے گی جو اس کے لئے لازمی ہیں"۔

فرمایا:

"حضرت داؤد علیہ السلام کا قول ہے" میں بچہ تھا، جوان ہوا اب بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میں نے متقی کو کبھی ایسی حالت میں نہیں دیکھا کہ اسے رزق کی مار ہو، نہ اس کی اولاد کو ٹکڑے مانگتے دیکھا" اللہ تعالیٰ تو کئی پشت تک رعایت کرتا ہے۔ پس خود نیک بنو اور اپنی اولاد کے لئے ایک عمدہ نمونہ نیکی اور تقویٰ کا ہو جاؤ اور اس کو متقی اور دیندار بنانے کی سعی اور دعا کرو جس قدر کوشش تم ان کے لئے مال جمع کرنے کی کرتے ہو اسی قدر کوشش اس امر میں کرو۔"

حضور نے ۱۹۰۵ء میں ہائی سکول قادیان جاری فرمایا اور فرمایا:

"ہماری غرض مدرسے کے اجراء سے محض یہ ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کیا جاوے۔ مروجہ تعلیم کو اس لئے ساتھ رکھا ہے کہ علوم خادم دین ہوں۔ ہماری غرض یہ نہیں کہ ایف۔ اے یا بی۔ اے پاس کر کے دنیا کی تلاش میں مارے مارے پھریں ہمارے پیش نظر تو یہ امر ہے کہ ایسے لوگ خدمت دین کے لئے زندگی بسر کریں اور اس لئے مدرسے کو ضروری سمجھتا ہوں کہ شائد دینی خدمات کے لئے کام آسکے۔ اسی رعایت سے حضور نے مدرسہ کا نام تعلیم الاسلام رکھا تاکہ یہ نصب العین ہمیشہ اساتذہ اور طلباء کے سامنے رہے۔

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد کی وفات پر فرمایا:

"ہم نے تو اپنی اولاد وغیرہ کا پہلے ہی سے فیصلہ کیا ہوا ہے کہ یہ سب خدا تعالیٰ کا مال ہے اور ہمارا اس میں کوئی تعلق نہیں اور ہم بھی خدا تعالیٰ کا مال ہیں۔ جنہوں نے پہلے ہی سے فیصلہ کیا ہوتا ہے ان کو غم نہیں ہوا کرتا"

(الحکم ۲۴/ ستمبر ۱۹۰۷ء)

نیز اس موقعہ پر یہ بھی فرمایا کہ جب متقی کو خدا تعالیٰ کی معیت حاصل ہے تو پھر اسے کس بات کا غم و اندوہ ہو سکتا ہے۔

فرمایا:

"اولاد کو مہمان سمجھنا چاہئے۔ اس کی خاطر داری کرنی چاہئے اور اس کی دلجوئی کرنی چاہئے مگر خدا تعالیٰ پر کسی کو مقدم نہیں کرنا چاہئے۔ اولاد کیا بنا سکتی ہے خدا تعالیٰ کی رضا ضروری ہے"

رشتہ داروں میں باہمی محبت اور سلوک کے متعلق ایک روایت بڑی رقت انگیز ہے۔ ایک شخص حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ غریب آدمی تھا اور اس کا بیٹا تحصیلدار تھا۔ بیٹا بھی حضور کی خدمت میں حاضر تھا۔ باپ نے حضور سے عرض کیا کہ میں تنگ حال میں رہتا ہوں اور میرا بیٹا میری خبر گیری نہیں کرتا۔ حضور نے اس وقت فرمایا کہ اگر باپ قابل امداد ہو تو اور نہیں تو بیٹا اس کی امداد اسے

مسکین سمجھ کر ہی کر دے۔ اسی طرح اگر بیٹا قابل امداد ہو تو باپ اسے یتیم سمجھ کر ہی اس کی مدد کرے۔ شوہر اگر بیوی سے نیک سلوک نہیں کرتا تو بیوی اسیر کے حکم میں شامل ہے' اسے اسیر سمجھ کر ہی اس کی مدد کرے۔ حضور کی اس تقریر کا اس تحصیلدار پر ایسا اثر ہوا کہ حضور کے سامنے اس نے عہد کیا کہ وہ اپنی تنخواہ آئندہ اپنے باپ کے ہاتھ میں دے دیا کرے گا اس میں سے باپ جس قدر چاہے اس کے خرچ کے لئے دے۔ اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ شخص اپنے عہد کے مطابق عمل کرتا رہا۔ اس سے ظاہر ہے کہ "گوش زدہ اثرے وارد" اور نصیحت اکثر کارگر ہوتی ہے۔ یہ روایت کئی لحاظ سے سبق آموز اور قابل توجہ ہے۔

اپنی وفات سے دس روز پیشتر ۱۵/ مئی ۱۹۰۸ء کو جو نصیحت حضور نے فرمائی وہ ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔

فرمایا:

"حدیث ہے کہ علم کا طلب کرنا ہر (۔) مرد اور عورت پر فرض ہے میں پہلے مردوں کا ذکر کرتا ہوں کہ قبل اس کے جو (دین حق) کی حقیقت معلوم ہو' اور اس کی خوبیاں معلوم ہوں پہلے ان علوم (دنیاوی علوم) کی طرف مشغول ہو جانا سخت خطرناک ہے۔ چھوٹے بچوں کو جب دین سے بالکل آگاہ نہ کیا جائے اور صرف مدرسے کی تعلیم دی جائے تو ایسی باتیں ان کے بدن میں شیر مادر کی طرح رچ جائیں گی۔ پھر سوائے اس کے اور کیا ہے کہ وہ دین حق سے پھر جائیں عیسائی تو بہت کم ہوں کیونکہ تثلیث و کفارہ اور ایک انسان کو خدا ماننے کا عقیدہ ہی کچھ ایسا لغو ہے کہ اسے کوئی عقیل و فہیم قبول نہیں کر سکتا۔ البتہ دہریہ ہو جائے گا۔ بہت خطرہ ہے۔ پس ضرور ہے کہ پہلے روز ساتھ ساتھ روحانی فلسفہ پڑھایا جائے' جب آج کل کی تعلیم نے مردوں پر مذہب کے لحاظ سے اچھا اثر نہیں کیا تو پھر عورتوں پر کیا توقع ہے۔ ہم تعلیم نسواں کے مخالف نہیں ہیں بلکہ ہم نے تو ایک سکول بھی کھول رکھا ہے۔ مگر یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ پہلے دین کا قلعہ محفوظ کیا جائے تاکہ بیرونی تاثرات سے محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو سواء السبیل توبہ' تقویٰ و طہارت کی توفیق دے" (بدر ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء)

مندرجہ بالا حوالے کی روشنی میں دینی فلسفہ اور دین سے آگاہی حضرت بانی سلسلہ کی کتب میں بدرجہ کمال درج ہے اور چاہئے کہ سکول اور کالج کی تعلیم کے ساتھ ساتھ حضور کی کتابوں کا مطالعہ جاری رکھا جائے اور والدین اس بات کی کڑی نگرانی رکھیں کہ ان کا بچہ علاوہ اپنے مقررہ تعلیمی نصاب کے روزبروز حضرت بانی سلسلہ کی کسی کتاب کا مطالعہ بھی کرتا رہے۔ ان کتابوں میں علم و حکمت کے دریا بہتے ہیں اور ان کا مطالعہ (صادقوں کے ساتھ مل جاؤ) کا جلوہ گاہ ہے۔

خاکسار کا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ جن طالب علموں نے اپنے سکول و کالج کی تعلیم کے زمانے میں حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی کتب کا مطالعہ بھی کیا وہ دنیوی لحاظ سے بھی اعلیٰ مدارج پر پہنچے اور دینی لحاظ سے بھی مغربی فلسفیوں کی زد سے الحاد و اشتراکیت اور دہریت کے اثرات سے محفوظ رہے اور ان کی زندگی نور علیٰ نور بنی۔

اے کہ خواندی حکمت یونانیاں
حکمت ایمانیاں راہم بخواں

(مضامین مظہر صفحہ ۲۲ تا ۳۲)

صاحبزادہ مرزا مجید احمد

"کھینچ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام مجھے"

بچپن میں جب قادیان کا جلسہ سالانہ ختم ہوتا تو ہم اگلے جلسہ کے انتظار میں دن گنا کرتے۔ دن تھے کہ کاٹے نہ کٹتے۔ اب ۳۵۰ دن رہ گئے ہیں۔ اب ۳۰۰ دن۔ دنوں کا سلسلہ تھا کہ ختم ہونے میں نہ آتا۔ معلوم نہیں بچپن کے دن لمبے کیوں ہوتے ہیں۔ اگر کسی خاص موقعہ کا انتظار ہو تو شاید بڑھاپے میں بھی دن لمبے ہی لگتے ہوں گے۔ عشق میں ہجر کے سارے دن ہی لمبے ہوتے ہیں اور وصل کے لمحات آنکھ جھپکتے گذر جاتے ہیں۔ خدا خدا کر کے دسمبر کا مہینہ آتا تو کملائے ہوئے چہروں پر بہار کی آمد کے آثار ہویدا ہونے لگتے۔ قادیان یوں لگتا کہ ایک انگڑائی لیکر بیدار ہو گیا ہو۔ کسیر کے گڈے قادیان کا رخ کرتے۔ اس زمانہ میں مہمانوں کے لئے جس طرح آج کل پرالی آتی ہے اس زمانہ میں کسیر منگوائی جاتی۔ کسیر اور پرالی کا مقابلہ ایسا ہی ہے کہ آپ مشک کا کافور سے کرلیں۔ کسیر میں ایک خاص قسم کی سوندھی سی خوشبو ہوتی جس سے بیچاری پرالی تہی دامن ہے۔ گیلیاں آنی شروع ہو جاتیں اور ہائی سکول کے سامنے میدان میں راج اور مزدور جلسہ سالانہ کے لئے ستونوں کی تعمیر کا کام شروع کر دیتے جن کے اوپر گیلیاں رکھ کر سٹیڈیم کی شکل میں جلسہ گاہ تعمیر ہوتا۔ یہ جلسہ کی آمد کا آم کا موسم آنے پر کوئیل کی پی کہاں۔ پی کہاں کی طرح کا شور ہوتا کہ موسم سر پر آن کھڑا ہے۔ پندرہ دسمبر ہوتی تو ہم ایک دوسرے سے پوچھتے کہ کسی مہمان کی شکل نظر آئی یا نہیں۔ لوگوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو جاتا جس میں سے کئی دور دراز علاقہ سے جذبہ شوق میں پیدل سفر کرتے یا پھر اتنے غریب ہوتے کہ گاڑی کا کرایہ دینے کی توفیق نہ ہوتی تھی۔ اس زمانہ میں آج کی طرح کی فراخی نہیں تھی۔ بیشتر احمدی ہندوستان کے طول و عرض سے جمع ہوتے تھے وہ سال بھر اپنا پیٹ کاٹ کر صرف جلسہ میں شمولیت کی غرض سے پونجی جمع کرتے رہتے تھے کہ جلسہ میں ضرور شرکت کرنی ہے قادیان کے سکولوں میں چھٹیاں ہو جاتیں۔ لوگ مہمانوں کے لئے اپنے گھر کا ایک حصہ خالی کر دیتے۔ جو سلسلہ بارش کی پہلی بوند کی طرح شروع ہوا تھا اب موسلادھار بارش میں تبدیل ہو جاتا۔ سپیشل گاڑیوں اور بسوں میں لوگ دھڑا دھڑ آ رہے ہوتے۔ اہالیان قادیان اپنے مہمانوں کا استقبال اس طرح کرتے جیسے برسوں بعد ملاقات ہو رہی ہو حالانکہ ہر سال یہی منظر ہوتا تھا پھر بھی دل ہے کہ خوشی سے پھولے نہ سماتے۔ ہر طرف لوگ بغلگیر ہوتے نظر آتے۔ مجھے یاد ہے کہ ہمارے گھر میں مکان کا مردانہ حصہ جس میں میرے بڑے بھائیوں کا قیام ہوتا اور زنانہ حصہ میں ایک بہت بڑا کمرہ جسے ہم دالان کہتے تھے اور اس سے ملحقہ کمرہ خالی کر دیے جاتے جہاں کسیر بچھادی جاتی اور ہم کسیر پر لوٹنیاں کھاتے۔ میری والدہ چونکہ پشاور سے تعلق رکھتی تھیں اس لئے پشاور کی جماعت اپنا حق سمجھتی کہ ساری جماعت ہمارے ہاں قیام کرے۔ یہ دوست مکرم حضرت قاضی صاحب کی امارت میں آتے تھے۔ خاص پٹھانی ماحول ہوتا تھا۔ رات کو چائے کا دور چلتا۔ محفلیں سجتیں۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دوست جن کا نام میرے ذہن میں محفوظ نہیں انہوں نے غضب کی سریلی آواز پائی تھی وہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا منظوم فارسی کلام پڑھتے تو سماں بندھ جاتا تھا آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب بہہ نکلتا تھا۔ مجھے وہ اپنے پاس بٹھا لیتے تھے اور دوست ان سے نظم کی فرمائش کرتے۔ تمام دوست حلقہ میں بیٹھ جاتے اور پھر یہ نغمہ سرا ہوتے۔ رات گئے محفل جاری رہتی۔ یہی دوست جلسہ پر بھی نظم پڑھا کرتے تھے۔ یہی حال باقی گھروں کا ہوتا۔ حضرت ام طاہر کے ہاں سیالکوٹ کی جماعت اور خاص طور پر سید عبدالسلام صاحب کی فیملی اور حیدر آباد سے سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب کی فیملی کے لوگ قیام کرتے۔ حضرت اماں جان کے گھر کا نچلا حصہ اور گول کمرہ مہمانوں سے کھچا کھچ بھر جاتا۔ گھر کے بچے اور جوان جلسہ کے شروع سے ہی کارکنوں کا بلا لگا کر اپنے اپنے کاموں میں جت جاتے جب ہم چھوٹے ہوتے تھے تب بھی جب کہ ہماری عمر ابھی اتنی نہ تھی کہ باقاعدہ ڈیوٹی ادا کر سکیں چڑی روزہ کی طرح چڑی ڈیوٹی لگواتے۔ ہمیں بلا لگانے کا بہت شوق ہوتا کوشش کرتے کہ کسی طرح گھر کا کوئی بڑا یا بھائی ہمیں بھی دفتر سے کارکن کا بلا لادے اگر نہ ملتا تو خود ہی بنا کر لگا لیتے تھے۔ خان عبدالواحد صاحب جو اپنی کشمیری چائے بنانے میں جواب نہیں رکھتے تھے سرگرم ہو جاتے۔ بہت ہی محدود آمدنی رکھتے تھے مگر اتنا ہی کھلا دل بھی۔ مہمان خانہ کے ایک کمرہ میں ان کی رہائش تھی۔ وہاں جا کر ان سے خاص طور پر فرمائش کی جاتی۔ خان صاحب ہی حضرت صاحب کو ان کی تقریر کے دوران چائے دینے پر مامور ہوتے ان کے پاس ایک پیٹرومیکس کا چولہا ہوتا جس پر چائے بنائی جاتی تھی۔ ہمارے ماموں۔ ان کی اولاد۔ خالو اور ان کی اولاد پشاور سے خاص طور پر میوہ والا گڑ لاتے اور ساتھ ہی ٹوکریاں خشک میوہ کی جنہیں ہم اور پشاوری مہمان خاص طور پر رات کی محفلوں میں خوب کھاتے۔ ابا جان خاص طور پر لاہور سے کئی سیر کولڈ میٹ منگوا کر رکھتے تھے۔

ان دنوں میں کھانا مٹی کے پیالوں میں دیا جاتا تھا جنہیں مہمانوں کی آمد سے چند روز قبل پانی میں بھگو کر رکھا جاتا تاکہ شوربہ ہی نہ پی لیں۔ ان میں ایک خاص قسم کی خوشبو آیا کرتی شاید مٹی کا کوئی اثر ہوتا ہوگا۔ اسی طرح پانی کے لئے بھی مٹی کے آبخورے ہوتے۔ لوگ تبرک کے طور پر لنگر کی روٹیاں واپسی پر اپنے ساتھ لے جاتے۔ جلسہ کے ایام جو کہ بالعموم ۲۶، ۲۷، ۲۸ دسمبر ہوتے تھے کے شروع ہوتے ہی قادیان کی گلیاں لوگوں کے ہجوم سے بھر جاتیں۔ کھوے سے کھوا چھلتا۔ قادیان کی فضا حمد و نعت سے معمور ہو جاتی۔ جلسہ کا افتتاح حضور کی تقریر سے ہوتا مجھے یاد ہے کہ خاندان کے بچے جن کی اس زمانہ میں اتنی بھاری تعداد بھی نہ تھی باوجود اس کے کہ انہیں سٹیج کا ٹکٹ مل جاتا پھر بھی وہ سٹیج کی طرف گیلیوں پر ہی بیٹھتے تھے۔ جیبیں چلغوزوں۔ مونگ پھلی۔ ریوڑیاں اور خشک میوہ پر مشتمل کھچڑی سے بھری ہوئی ہوتیں جن کا استعمال تقریروں کے ساتھ ساتھ جاری رہتا۔ حضور بالعموم پیدل ہی جلسہ گاہ تشریف لاتے اور جلسہ گاہ نعروں سے گونج اٹھتی۔ لوائے احمدیت لہرایا جاتا جس کے چاروں کونوں پر پہرہ دار کھڑے ہوتے۔ حضور کی آخری تقریر جو کہ علمی ہوتی رات گئے تک جاری رہتی اور جلسہ گاہ میں گیس لیمپ مہیا کر دئے جاتے۔ حضور کی علمی تقاریر کا شہرہ سارے ہندوستان میں تھا غیر از جماعت لوگ بھی جلسہ کے آخری دن اسے سننے کے لئے دور دور سے آتے۔ ابھی ایسی تنگ نظری اور کم ظرفی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ علم و عرفان کا ایک سمندر رواں ہوتا جو ٹھاٹھیں مار رہا ہوتا اور لوگ اپنی اپنی استعداد کے مطابق فیض یاب ہوتے۔ پہلے پہلے جب ابھی تک بجلی نہیں آئی تھی یا اگر بجلی کا نظام فیل ہو جاتا تو لاؤڈ سپیکر کی جگہ انسانوں سے کام لیا جاتا جو حضور کے الفاظ بلند آواز سے مجمع کے کونے کونے میں دہرا کر پہنچاتے تھے۔

خان صاحب عبدالعزیز صاحب جنہیں دوستوں کو زعفرانی چائے پلانے کا بہت شوق تھا۔ ہندوستان کی بہترین چائے خاص طور پر منگواتے اور اس میں زعفران کی چاشنی دیتے تو عجب بہار دیتی۔ میں نے زندگی بھر ایسی عمدہ چائے کبھی نہیں پی۔ ہمارے چچا جان حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے ہمسایہ تھے۔ چچا جان ان کے خاص مہمان ہوتے جن سے ان کی خاصی بے تکلفی بھی تھی اور چچا جان زبردستی ان سے چیزیں لے جاتے جس پر وہ بظاہر چیں بہ جبیں بھی ہوتے مگر دل میں کہتے کہ میاں اور لے جاؤ تم بہر حال میرے پیر کے بیٹے ہو۔ ہم ان سے خاص طور پر درخواست کر کے تلے ہوئے توس جن پر شہد لگا ہوتا کی فرمائش کرتے وہ ان پر بھی زعفران چھڑک دیتے۔ وہاں سے ہم حضرت پھوپھا جان نواب محمد علی خان صاحب کی خدمت میں سلام کے لئے جاتے۔ حضرت نواب صاحب بڑے وجیہ اور دبدبہ والے تھے ہم ان سے بہت ڈرتے تھے مگر وہ ہمیشہ بڑی شفقت سے پیش آتے۔ دن کو جلسہ کا ہنگامہ رہتا اور راتیں دینی محفلوں سے سج

باقی صفحہ ۳۱ پر

مرکزِ احمدیت ---- قادیان

مکرم مولوی برہان احمد صاحب ظفر "مرکز احمدیت قادیان" میں لکھتے ہیں:-

تقسیم ملک کے بعد قادیان کے تمام محلہ جات خالی ہو گئے اور ان محلوں میں باہر سے آنے والے آباد ہو گئے۔ جب باہر سے آنے والے لوگوں کو جماعت کے مقامات مقدسہ کا علم ہونا شروع ہوا تو وہ ان کی زیارت کے لئے محلہ احمدیہ میں آنے شروع ہوئے اور شروع شروع میں یہ کام نظارت امور عامہ ہی سرانجام دیتی تھی کہ باہر سے آنے والوں کو مقامات مقدسہ کی زیارت کروائی جائے لیکن جب حالات تبدیل ہو گئے اور قادیان کا پھر سے ہندوستان کی دیگر جماعتوں سے رابطہ قائم ہو گیا اور دفتری کاموں میں اضافہ ہوا تو زیارت کرنے والے احباب کے لئے ایک دفتر الگ سے "دفتر زائرین" کے نام سے مورخہ ۲۴/ نومبر ۱۹۴۸ء کو قائم کیا گیا۔ جو کہ باہر سے آنے والے مہمانوں کو مقامات مقدسہ کی زیارت کرواتا اور پیغام حق پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیتا۔

دفتر زائرین دفتر تحریک جدید کی پرانی عمارت میں قائم کیا گیا تھا۔ جو کہ حضرت امام جماعت احمدیہ کی (رہائش گاہ) کے قریب واقع ہے۔ اس کی طرف جانے کے لئے احمدیہ چوک سے مغرب کی جانب جانے والی گلی استعمال میں آتی تھی۔ بعض اوقات زیارت کرنے والوں کی تعداد سینکڑوں افراد تک پہنچ جاتی ہے۔ دفتر زائرین سے مفت اور قیمتاً لٹریچر بھی دیا جاتا ہے۔ عرصہ چار سال سے دفتر زائرین کو وہاں سے تبدیل کر دیا گیا ہے اور اس وقت بیت مبارک کے پاس بڑے گیٹ سے اندر جاتے وقت باہر کی طرف بائیں ہاتھ پر واقع ہے فی الحال اس دفتر میں آٹھ نو کارکنان کام سرانجام دے رہے ہیں۔ باہر سے آنے والے زائرین جماعت احمدیہ کے متعلق اپنی آرا بھی رجسٹر پر درج کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض کا ذکر میں اس جگہ کرتا ہوں۔

(۱) پروفیسر شیر سنگھ ایم۔ ایس۔ سی۔ تحریر فرماتے ہیں:-

احمدیوں کو یہ فخر حاصل ہے کہ ان کے بانی نے سب مذاہب کا یکساں عزت و احترام کیا ہے اور منتشر انسانی دلوں کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔ احمدیوں سے مل کر یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ ان میں مجموعی طور پر انسان سے پیار اور محبت کا جذبہ موجود ہے۔ یہ آثار قومی ترقی اور یکجہتی کے لئے بہت خوش کن ہیں۔ جس مذہب میں یہ باتیں ہوں اور خالص عملی زندگی میں ڈھل چکی ہوں وہ مذہب دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتا ہے۔"

(۲) سنت مسا سنگھ کانگریس سوشل ورکر نے تحریر کیا ہے۔

"میں نے جماعت احمدیہ کے بارے میں جو کچھ سنا تھا اس کے بانی مرزا صاحب خدا کا راستہ بتانے والے اور خدا کے پیارے ہیں۔ اور ان سے خدا نے وعدے کئے ہیں۔ سب ٹھیک ہیں۔ جماعت احمدیہ ایک ایسی جماعت ہے جو انسانوں کی سیوا کرنے والی اور انسانوں میں باہمی ملاپ کرنے والی ہے۔ یہ ایک فقیرانہ جماعت ہے جو خدا پر سچا بھروسہ اور یقین رکھتی ہے۔"

محترم چونی لال ملہوترا ایڈووکیٹ کرنالی تحریر کرتے ہیں:-

"آج خوش نصیبی سے ہمیں احمدیہ جماعت کے پوتر مرکز قادیان اور اس کے مقدس مقامات کے درشن کا موقعہ ملا۔ حقیقتاً عوام الناس کو خدائے قادر مطلق کا بہت بہت شکریہ ادا کرنا چاہئے۔"

سردار بڈھا سنگھ گردوارہ نشنل ٹاؤن شپ تحریر فرماتے ہیں۔

"میں آج کسی کی ملاقات کے لئے قادیان آیا۔ میرا یہ خیال ہے کہ اگر ہر مذہب کے ماننے والوں کے یہی خیالات ہوں جو احمدیہ جماعت کے ہیں تو انسانوں کے دلوں سے وہ چیز یقیناً نکل جائے جو ۴۷ء کے فسادات کا باعث بنی۔"

سردار پیارا سنگھ سکھ مشنری امرتسر تحریر فرماتے ہیں۔

"مجھے قصبہ قادیان کو ایک مشنری سوسائٹی کے ہیڈ کوارٹر ہونے کی وجہ سے دیکھنے کا بے حد شوق تھا۔ خوش قسمتی سے ایک ڈومیسٹک کام کی وجہ سے مجھے یہاں آنا پڑا۔ ایک پرچارک ہونے کی وجہ سے مجھے یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ جماعت احمدیہ مختلف قوموں میں باہمی اتحاد پیدا کرتی ہے اور خدائے واحد کا پیغام دنیا کے کونے کونے میں پھیلاتی ہے۔ اور دنیا میں انسانیت کی بھلائی چاہتی ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ خدا ان کو اپنے مشن میں کامیاب کرے تا لوگوں میں ایشور بھگتی اور پریم و پیار کا دور دورہ ہو۔"

شروع شروع میں یہ دفتر محترم مولوی برکات احمد صاحب راجیکی (وفات یافتہ) کے زیر نگرانی تھا۔ بعد میں اس کو نظارت (اصلاح و ارشاد) کے تحت کر دیا گیا۔ اور اب بھی دفتر (اصلاح و ارشاد) کے تحت ہی کام کرتا ہے۔

جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ بالعموم چارپائی پر ہی بیٹھ کر سارے کام سرانجام دیتے۔ مہمان نوازی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس شعبہ کے ماہر تھے۔ ان کے بعد ان کے پایہ کا مہمان نوازی کا مہتمم پھر نظر سے نہیں گذرا۔ لوگ حضور بانی سلسلہ کے رفیقوں کی تلاش میں پھرتے۔ کہیں حضرت مفتی محمد صادق صاحب سبز عمامہ پہنے نظر آتے تو کہیں حضرت مولوی شیر علی صاحب فرشتہ کی صورت میں لوگوں کے ہجوم میں پھنسے نظر آتے۔ کہیں حضرت مولوی سرور شاہ صاحب کا وجود ہوتا جن کی قیادت میں کی ہوئی عبادت قادیان کے باہر سے آئے ہوئے لوگوں کو ساری عمر یاد رہتی۔ کہیں حضرت سید غلام غوث کی شخصیت نظر آتی۔ کہیں حضرت شاہ جہان پوری اپنی محفل سجائے بیٹھے ہوتے تو کہیں حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب مسیحی نفس کی صورت میں پھرتے نظر آتے۔ کیا کیا پھول تھے جو نظر سے اوجھل ہو گئے۔ کن کن ستاروں کا ذکر کروں۔ جلسہ کے اختتام کے دن قریب آتے تو دل دھڑکنا شروع ہو جاتے کہ پھر ان دنوں کے لئے سال بھر انتظار کرنا پڑیگا۔ یہ پہلے بھی اتنی دیر سے آیا تھا۔ اب خدا معلوم کتنے سالوں بعد سال گذریگا۔

بقیہ صفحہ ۲۹

جاتیں۔ ان میں خاص طور پر دنیا کی مختلف زبانوں میں مذہب پر تقاریر ہوتی تھیں۔ تقاریر کا مقابلہ ہوتا۔ حمد و نعت کی محفلیں گرم ہوتیں میرے خیال میں ان ایام میں قادیان سوتا ہی نہیں تھا۔ کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا۔ محفلیں ختم ہوتیں تو لوگ عبادت میں مصروف ہو جاتے۔ اس زمانہ میں موٹر گاڑیاں خال خال ہی نظر آتی تھیں جلسہ گاہ کے باہر دو تین ہی موٹریں ہوتی تھیں تو ہم سمجھتے تھے کہ بہت کاریں آئیں ہیں۔ زمانہ نے کیا کروٹ بدلی ہے۔ ربوہ کے جلسہ کے دوران اتنی گاڑیاں ہوتی تھیں کہ ٹریفک کا مسئلہ پیدا ہو جاتا تھا۔ چند ہزار نفوس کے جلسہ سے بڑھ کر ربوہ میں لاکھوں کا اجتماع ہوا۔ ۱۹۳۹ء میں جوبلی کے موقعہ پر جب حضرت چوہدری ظفراللہ خان صاحب نے حضرت صاحب کی خدمت میں تین لاکھ کا چیک پیش کیا تو ہم سمجھتے تھے کہ بھئی واہ کتنی بڑی رقم جماعت نے ان کے قدموں میں ڈھیر کر دی ہے اور اگر آج موقعہ ملے تو شاید جماعت کروڑوں کا نذرانہ پیش کرے بھی تو سمجھا جائے کہ کچھ بھی نہیں کیا۔

حضرت میر محمد اسحاق صاحب جلسہ کی مہمان نوازی کے انچارج ہوتے۔ جلسہ کے ایام میں وہ اپنا بوریا بستر اٹھا کر دفتر لے آتے۔ عجیب باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے۔ بہت بڑے عالم۔ بیمار ہوتے تو بھی گھر

مولانا عبدالباسط شاہد

ہمارا جلسہ سالانہ

ہمارے سالانہ جلسہ کا آغاز ۱۸۹۱ء میں ہوا۔ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے افوض امری الی اللہ کہتے ہوئے اور خدائی وعدوں پر بھروسہ کرتے ہوئے اس عظیم جلسہ کی بنیاد رکھی تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ ایک متلاطم سمندر میں کاغذ کی بنی ہوئی ایک کشتی چھوڑ دی گئی ہے۔ نا مساعد حالات کے باوجود ۷۵ خوش نصیب افراد کو پہلے جلسہ سالانہ میں شمولیت کی سعادت حاصل ہوئی۔ مہمانوں کے قیام و طعام کی ساری ذمہ داری حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی تھی۔ اگر موجودہ زمانہ کا کوئی ماہر اخبار نویس و صحافی اس جلسہ کی رپورٹنگ کرتا تو وہ ضرور یہ لکھتا کہ ظاہری لحاظ سے یہ جلسہ پہلا اور آخری جلسہ ہے اور اسے ہرگز یہ امید نہ ہوتی کہ اس بے سروسامانی کے عالم میں ہونے والا جلسہ اپنی زندگی کی دوسری بہار بھی دیکھ پائے گا۔ تاہم حضور کا ایمان و عرفان یہ اعلان کر رہا تھا کہ "اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلائے کلمہ دین حق پر بنیاد ہے۔ اس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے اور اس کے لئے قومیں تیار کی ہیں جو عنقریب اس میں آملیں گی۔ کیونکہ یہ اس قادر کا فعل ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں.........

(اشتہار ۷ دسمبر ۱۸۹۲ء)

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی زندگی میں آخری جلسہ سالانہ کی حاضری تقریباً ۳۰۰۰ افراد تک پہنچی تھی اور مشہور روایت کے مطابق حضور نے اس قدر حاضری پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ معلوم ہوتا ہے اب ہمارا کام پورا ہو گیا ہے۔ ۷۵ حاضرین کی تعداد سے شروع ہونے والا اور ۳۰۰۰ کی تعداد تک پہنچنے والا یہ جلسہ جماعت کی ترقی کا سنگ میل بن گیا اور مثالی طور پر ایک ایسا سلسلہ کوہ ثابت ہوا کہ جس کی ہر بلند پہاڑی سر کر لینے کے بعد اس کی بلندی و رفعت پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے نتیجہ میں وہ ایک معمولی گھاٹی نظر آنے لگتی اور آگے ترقی کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ حضرت مولانا نورالدین اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ سے راضی رہے۔ کے زمانہ میں بھی جلسہ ترقی کی منزلیں طے کرتا چلا گیا۔ آپ کی زندگی میں آخری جلسہ پر حاضرین کی تعداد کا اندازہ ۳ ہزار تھا۔ آپ نے جلسہ کے متعلق فرمایا۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اگر تم شکر کرو تو ہم اپنی نعمتوں میں ضرور بالضرور اور اضافہ کریں گے اس لئے خدا تعالیٰ کے انعامات پر شکر کرنا انسان کے لئے اور بہت سے الطاف کا موجب ہو جاتا ہے۔ پس تحدیث نعمت الٰہی کے طور پر میں بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے ہم پر بہت سے احسان کئے ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی خاص تائید و نصرت تھی کہ امسال باوجود بہت سے موانع کے...... جلسہ پر لوگ معمول سے زیادہ آئے اور ان کے چہروں سے وہ محبت اور خلوص ٹپک رہا تھا جو بزبان حال اس بات کی شہادت دے رہا تھا کہ جماعت احمدیہ ہر ایک بد اثر سے محفوظ و مصئون ہے"

(حیات نور)

حضرت امام جماعت الثانی اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ سے راضی رہے۔ کے زمانے میں جلسہ سالانہ اپنی روایات کے مطابق اور لوگوں کے اندازے سے کہیں بڑھ کر ترقی کرتا چلا گیا۔ حضور ایک پہلے جلسہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اس جلسہ میں جمع ہونے والے تھوڑے سے افراد غریب تھے ان میں سے بہت ہی کم ایسے تھے جو متوسط درجہ کے کہلا سکیں اور اس نیت سے جمع ہوئے تھے کہ (دین حق) کا جھنڈا جسے دشمن سرنگوں کرنے کی کوشش کر رہا ہے ہم اسے سرنگوں نہ ہونے دیں گے۔ ان بے سہارا یتیم افراد کے دل سے نکلے ہوئے خون نے عرش الٰہی کے سامنے فریاد کی۔ جن کو دنیا حقیر و ذلیل سمجھتی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا اور ان کے آنسوؤں سے ایک درخت تیار کیا جس کا پھل تم ہو۔ مگر ان سے اتنا بڑا باغ تیار ہو گیا ہے تو اگر تم بھی اپنے آپ کو اسی طرح قربانیوں کے لئے تیار کرو تو کروڑوں درخت پیدا ہو سکتے ہیں۔"

(افتتاحی خطاب جلسہ سالانہ ۱۹۳۶ء)

امام جماعت الثانی اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ سے راضی رہے کی کامیاب قیادت و امامت کے پچیس سال پورے ہونے پر اظہار تشکر کے طور پر اس سال جلسہ سالانہ کو جوبلی جلسہ سالانہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ احباب جماعت نے خاص اہتمام سے اس جلسہ میں شرکت کی۔ لوائے احمدیت بھی پہلی بار اسی جلسہ میں لہرایا گیا۔ مختلف جماعتیں جلوس کی شکل میں اپنے جھنڈے اٹھائے ہوئے جلسہ گاہ میں آئیں۔ ایسے جھنڈوں کی تعداد ۱۵۰ تھی جو جلسہ گاہ میں ایک طرف برابر لہراتے رہے۔ اس جلسہ میں افریقہ کے بعض ممالک تنزانیہ وغیرہ اور ملایا سماٹرا اور ترکستان کے نمائندگان نے شرکت کی۔ اس جلسہ میں حضور نے اپنے بڑے ولولہ انگیز خطاب میں خدا تعالیٰ کی غیر معمولی تائید و نصرت اور حق و صداقت کی یقینی کامیابی اور فتوحات کی پیش خبری بیان فرمائی۔ ۱۹۴۴ء کا جلسہ بھی اپنے اندر ایک خاص رنگ رکھتا تھا۔ کیونکہ اس سال بعض غیر معمولی نشان ظاہر ہوئے تھے اور بعض عظیم الشان پیش خبریاں حضور کے وجود میں پوری ہوئی تھیں۔ حضور نے ان کے پورا ہونے کے متعلق نہایت مفصل اور مدلل تقریر ارشاد فرمائی۔ اور جماعت کو اس کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا۔

"...... آپ کا اولین فرض یہ ہے کہ اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں اور اپنے خون کا آخری قطرہ تک احمدیت کی کامیابی کے لئے بہانے کے لئے تیار ہو جائیں...... اگر تم ترقی کرنا چاہتے ہو اگر تم اپنی ذمہ داریاں صحیح طور پر سمجھتے ہو تو قدم بقدم اور شانہ بشانہ میرے ساتھ بڑھتے چلے آؤ۔ کہ باطل کو ہمیشہ کے لئے صفحہ عالم سے نیست و نابود کر دیں۔ اور خدا نے چاہا تو ایسا ہی ہوگا۔ زمین اور آسمان ٹل سکتے ہیں مگر خدا کی باتیں کبھی ٹل نہیں سکتیں۔

(اختتامی خطاب جلسہ سالانہ ۱۹۴۴ء)

اسی جلسہ پر خدا تعالیٰ کے بے حساب فضلوں میں سے بعض کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:۔

ہمیں وہ نظارے بھی یاد ہیں جب دو چار آدمی (حضرت بانی سلسلہ احمدیہ) کے ساتھ تھے اور آج ہم یہ نظارہ دیکھ رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ساری دنیا میں، دنیا کی ہر قوم میں، ہر نسل میں اور ہر زبان بولنے والوں میں احمدی موجود ہیں اور ان میں ہمت اور اخلاص اور فداکاری کے جذبات اعلیٰ درجہ کے پائے جاتے ہیں اور وہ قربانی کے انتہائی مقام پر پہنچے ہوئے ہیں۔ آج خدا تعالیٰ کا ہاتھ ان کو روک رہا ہے ورنہ وہ آگے بڑھ کر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہیں.........."

(الفضل ۳۰ دسمبر ۱۹۴۴ء)

برصغیر کی تقسیم کے نتیجہ میں جماعت کو ایک بہت بڑے ابتلاء اور مشکل کا سامنا کرنا پڑا قادیان اور گرد و نواح کی جماعتوں کو بڑی کس مپرسی کے عالم میں نقل مکانی کرنی پڑی تاہم حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی جیسے عظیم اور کامیاب رہنما نے جماعت کے حوصلے برابر قائم رکھے۔ آپ نے فرمایا:۔

"...... ہم تو شطرنج پر ایک مہرے کی حیثیت بھی نہیں رکھتے۔ سلسلہ احمدیہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک لمبی اور نہ ختم ہونے والی تاریخ کا مالک ہے اور قیامت تک کی تاریخ کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے...... پس خدا تعالیٰ کے اس فعل کو اپنے لئے مضر نہیں سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا کوئی فعل ہمارے لئے مضر نہیں ہو سکتا بلکہ وہ ہماری ترقیات کا پیش خیمہ ثابت ہوگا اور اللہ تعالیٰ مخالف حالات میں ہماری تائید و نصرت فرما کر یہ بات واضح کر دے گا کہ وہ ہماری جماعت کے ساتھ ہے۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہر حال میں ہمارا حامی و ناصر ہو اور اپنے فضل کے دروازے ہم پر کھول دے اور ہمیں ہر ابتلاء میں ثابت قدم رہنے کی توفیق بخشے۔

(الفضل ۵ فروری ۱۹۴۸ء)

مضمون کی طوالت کا خوف نہ ہوتا تو سال بہ سال ترقی اور خدائی فضلوں کا ذکر بھی

مناسب رہتا تاہم بات کو مختصر کرتے ہوئے صرف اس قدر کہنا کافی ہو گا کہ ہمارے یہ سالانہ جلسے اپنے اثر و برکات کے لحاظ سے اتنے پھیل گئے کہ...... ان پر پابندی عائد کرنا ضروری سمجھا گیا اور پاکستان میں ہمارا روایتی جلسہ سالانہ ۱۹۸۴ء سے منعقد نہ ہو سکا۔ خدائی فضلوں کے آگے بند باندھنے کی اس کوشش سے جلسہ سالانہ کی شان و عظمت میں اتنا اضافہ ہو گیا کہ پہلے اس کا اندازہ بھی نہ کیا جا سکتا تھا۔ قادیان میں خدا تعالیٰ کے فضل سے برابر جلسے ہو رہے ہیں۔ انگلستان میں حضرت امام جماعت احمدیہ کی موجودگی کی وجہ سے وہاں کے سالانہ جلسہ کو گویا مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی جہاں خدا تعالیٰ کے فضل سے درجنوں ممالک کے ہزاروں احمدی اپنے امام کی زیارت و نصائح سے استفادہ کرتے ہیں اور انگلستان و دیگر اہم ممالک کے نمائندے اپنی شمولیت سے جماعت کے بین الاقوامی تشخص کا اعتراف کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یورپ کے کئی دوسرے ممالک اور افریقہ و ایشیا کے متعدد ممالک میں جلسہ ہائے سالانہ کا انعقاد خدا تعالیٰ کے فضلوں کا شاہد ہے۔

ہمارے پیارے امام حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خدا تعالیٰ کے ان فضلوں کا ذکر کرتے ہوئے قادیان کے ایک سالانہ جلسہ کے شرکاء کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

اللہ تعالیٰ کا بہت احسان ہے کہ اس نے آپ کو اس عظیم بابرکت اجتماع میں شرکت توفیق عطا فرمائی ہے جس کی بنیاد حضرت سیدنا بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے ۲۷ دسمبر ۱۸۹۱ء کو اسی مقدس بستی قادیان میں رکھی تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس پہلے جلسہ میں حاضرین کی تعداد ۷۵ تھی۔......... خدا کی تقدیر نے بعد ازاں ثابت کر دیا کہ جس مبارک وجود نے اس جلسہ کی داغ بیل ڈالی تھی اور اس کے چند مصاحب جو اس جلسہ میں شریک ہوئے ان کا مقام خدا کی نظر میں بہت بلند تھا اور ان کی عاجزانہ راہیں خدا کو پسند آئیں چنانچہ آج جب کہ تقریباً ایک سو سال اس پہلے جلسہ کو گزر چکے ہیں اس عرصہ میں دنیا بھر میں اتنے ممالک میں جماعتیں قائم ہو چکی ہیں کہ حاضرین جلسہ کی تعداد سے ان ممالک کی تعداد کہیں زیادہ ہے اور ان میں سے ہر ملک میں ان کے سالانہ جلسوں کے شرکاء کی حاضری بھی ۷۵ سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ آخری جلسہ جس میں مجھے پاکستان میں شمولیت کی توفیق ملی اس ایک جلسہ میں خدا کے فضل سے اڑھائی لاکھ سے زائد مرد و زن شریک تھے... پس خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ بابرگ و بار ہوویں اک سے ہزار ہوویں کا منظر دنیا میں ہر طرف دکھائی دیتا ہے۔"

خدا تعالیٰ کے فضل سے جدید مواصلاتی ذرائع اور سہولتوں کی وجہ سے ہمارے اس جلسہ کو جو بین الاقوامی حیثیت حاصل ہوئی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

مختصر تاریخ جلسہ سالانہ

اعداد و شمار کی روشنی میں

نمبر شمار	سال	مہینہ	تواریخ	مقام	حاضری مرد	مستورات: مقام	مستورات: حاضری
۱	۱۸۹۱ء	دسمبر	۲۷	بیت الاقصیٰ قادیان	۷۵		
۲	۱۸۹۲ء	دسمبر	۲۷	قادیان ڈھاب کے کنارے	۵۰۰		
۳	۱۸۹۳ء	x	ملتوی	x	x		
۴	۱۸۹۴ء	دسمبر	؟	بیت الاقصیٰ قادیان	؟		
۵	۱۸۹۵ء	دسمبر	؟	بیت الاقصیٰ قادیان	؟		
۶	۱۸۹۷ء	دسمبر	۲۵ دسمبر تا یکم جنوری ۱۸۹۸ء	بیت الاقصیٰ قادیان	؟		
۷	۱۸۹۸ء	؟	؟	بیت الاقصیٰ قادیان	؟		
۸	۱۸۹۹ء	دسمبر	۲۸	بیت الاقصیٰ قادیان	؟		
۹	۱۹۰۰ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	بیت الاقصیٰ قادیان	۵۰۰		
۱۰	۱۹۰۱ء	دسمبر	؟ ۲۷، ۲۸، ؟	بیت الاقصیٰ قادیان	؟		
۱۱	۱۹۰۲ء	x	ملتوی	x	x		
۱۲	۱۹۰۳ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ؟	بیت الاقصیٰ قادیان	؟		
۱۳	۱۹۰۴ء	دسمبر	۲۹، ۳۰	بیت الاقصیٰ قادیان	۲۵۰		
۱۴	۱۹۰۵ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹	بیت الاقصیٰ قادیان	؟		
۱۵	۱۹۰۶ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹	بیت الاقصیٰ قادیان	۲۵۰۰		
۱۶	۱۹۰۷ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	بیت الاقصیٰ قادیان	۳۰۰۰		
۱۷	۱۹۰۸ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	بیت الاقصیٰ قادیان	۲۵۰۰		
۱۸	۱۹۰۹ء	دسمبر	۲۵، ۲۶، ۲۷،	بیت الاقصیٰ قادیان	۳۰۰۰ سے زائد		
۱۹	۱۹۱۰ء	دسمبر	۲۵، ۲۶، ۲۷،	بیت الاقصیٰ قادیان	۲۵۰۰		
۲۰	۱۹۱۱ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹	بیت الاقصیٰ قادیان	۳۰۰۰		
۲۱	۱۹۱۲ء	دسمبر	۲۵، ۲۶، ۲۷،	بیت الاقصیٰ قادیان	۳۵۰۰		
۲۲	۱۹۱۳ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	بیت النور قادیان	۳۰۰۰		
۲۳	۱۹۱۴ء	دسمبر	۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹	بیت النور قادیان	۳۵۰۰		
۲۴	۱۹۱۵ء	دسمبر	۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸	تعلیم الاسلام کالج کے سنٹر ہال	۴۰۰۰	تعلیم الاسلام کالج کے ہال کی گیلریاں	؟
۲۵	۱۹۱۶ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	بیت النور قادیان	۵۰۰۰	؟	؟
۲۶	۱۹۱۷ء	دسمبر	۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹	بیت النور قادیان	؟	بیت الاقصیٰ قادیان	؟
۲۷	۱۹۱۹ء	مارچ	۱۵، ۱۶، ۱۷	بیت النور قادیان	۵۰۰۰	بیت الاقصیٰ قادیان	؟
۲۸	۱۹۱۹ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹	بیت النور قادیان	۷۰۰۰	بیت الاقصیٰ قادیان	؟
۲۹	۱۹۲۰ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹	بیت النور قادیان	۷۰۰۰	بیت الاقصیٰ قادیان	؟
۳۰	۱۹۲۱ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹	بیت النور قادیان	۷۱۹۴	بیت الاقصیٰ قادیان	؟
۳۱	۱۹۲۲ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	بیت النور قادیان	۸۰۰۰ تا ۹۰۰۰	بیت الاقصیٰ قادیان	؟
۳۲	۱۹۲۳ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	بیت النور قادیان	۱۲۰۰۰ سے زائد	حضرت شیخ یعقوب علی صاحب کے گھر کے صحن	۳۰۰۰
۳۳	۱۹۲۴ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	بیت النور قادیان سے ملحق میدان	۱۵۰۰۰	میں	۴۰۰۰ سے زائد
۳۴	۱۹۲۵ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	بیت النور قادیان سے ملحق میدان	۱۱۳۸۴	حضرت شیخ یعقوب علی صاحب کے گھر کے صحن	۲۰۰۰ از لنگر خانہ
۳۵	۱۹۲۶ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	بیت النور قادیان سے ملحق تعلیم الاسلام سکول	۱۲۱۱۷	میں	۳۵۰۰ تقریباً
۳۶	۱۹۲۷ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	کے گراؤنڈ میں	۱۳۰۲۰ ۲۰۰۰۰	قادیان کے مشرقی جانب سڑک پر اندرون قصبہ	۳۵۰۰ تک
۳۷	۱۹۲۸ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	بیت النور قادیان سے ملحق تعلیم الاسلام سکول		قادیان	۵۰۰۰ تک
۳۸	۱۹۲۹ء	دسمبر	۲۷، ۲۸، ۲۹	کے گراؤنڈ میں	۱۷۳۱۶	،،	۳۰۰۰ تک

۳۹	۱۹۳۰ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	بیت النور قادیان سے ملحق تعلیم الاسلام سکول کے گراؤنڈ میں	۱۷۳۱۶	اندرون قصبہ قادیان	؟
۴۰	۱۹۳۱ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸		۱۸۷۷۶		۷۰۰۰ تقریباً
۴۱	۱۹۳۲ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	"	۲۰۷۵۲	"	؟
۴۲	۱۹۳۳ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	"	۱۹۱۴۳	قادیان سے مشرقی جانب ایک پردہ دار مکان میں	۶۰۰۰ قریباً
۴۳	۱۹۳۴ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	"	۲۵۰۰۰	"	؟
۴۴	۱۹۳۵ء	دسمبر	۲۵، ۲۶، ۲۷	"	۲۱۲۷۸ سے زائد	"	؟
۴۵	۱۹۳۶ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	"	۲۵۸۵۶	"	؟
۴۶	۱۹۳۷ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	"	۳۱۸۲۰	مردانہ جلسہ گاہ کے قریب	؟
۴۷	۱۹۳۸ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	"	۳۲۴۷۹	مردانہ جلسہ گاہ کے قریب	۶۰۰۰
۴۸	۱۹۳۹ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹	"	۳۹۹۵۰	بیت النور قادیان کے شمالی میدان میں	۸۰۰۰
۴۹	۱۹۴۰ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	"	۲۴۰۰۰ سے زائد	بیت النور قادیان کے شمالی میدان میں	۹۰۰۰
۵۰	۱۹۴۱ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	"	۲۷۲۰۹	بیت النور قادیان کے شمالی میدان میں	؟
۵۱	۱۹۴۲ء	دسمبر	۲۵، ۲۶، ۲۷	"	۲۳۷۶۰	بیت النور قادیان کے شمالی میدان میں	؟
۵۲	۱۹۴۳ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	"	۲۷۲۵۶	بیت النور قادیان کے شمالی میدان میں	۱۲۰۰۰
۵۳	۱۹۴۴ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	"	۲۲۶۰۰	بیت النور قادیان کے شمالی میدان میں	؟
۵۴	۱۹۴۵ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	"	۳۳۴۳۵	بیت النور قادیان کے شمالی میدان میں	۷۰۰۰ سے ۱۰۰۰۰
۵۵	۱۹۴۶ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	"	۳۳۷۸۶	بیت النور قادیان کے شمالی میدان میں	۸۰۰۰
۵۶	۱۹۴۷ء	دسمبر	۲۷، ۲۸	لاہور جودھامل بلڈنگ رتن باغ کے قریب	۶۴۵۰ سے زائد	مردانہ جلسہ گاہ کے قریب	؟
	۱۹۴۸ء	مارچ	۲۸	لاہور جودھامل بلڈنگ رتن باغ کے قریب	۴۲۵۰	مردانہ جلسہ گاہ کے قریب	؟
	۱۹۴۸ء	دسمبر	۲۵، ۲۶		۱۷۰۰۰	ربوہ مردانہ جلسہ گاہ کے قریب	؟
۵۷	۱۹۴۹ء	اپریل	۱۵، ۱۶، ۱۷		۱۶۰۰۰	ربوہ مردانہ جلسہ گاہ کے قریب	؟
۵۸	۱۹۴۹ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	عقب بیت مبارک ربوہ	۳۰۰۰۰	؟	؟
۵۹	۱۹۵۰ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	عقب بیت مبارک ربوہ	۲۵۰۰۰	؟	۶۲۵۰
۶۰	۱۹۵۱ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	عقب بیت مبارک ربوہ	۱۸۴۴۶	؟	؟
۶۱	۱۹۵۲ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	عقب بیت مبارک ربوہ	۲۹۰۰۰	؟	۱۳،۶۰۰
۶۲	۱۹۵۳ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	عقب بیت مبارک ربوہ	۳۱۶۳۰	؟	۱۰۳۴۴
۶۳	۱۹۵۴ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	عقب بیت مبارک ربوہ	؟	لجنہ ہال کے احاطہ میں	۶۳۰۸
۶۴	۱۹۵۵ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	نصرت گرلز سکول کی عمارت کے احاطہ میں	۵۰۰۰۰	لجنہ ہال کے احاطہ میں	؟
۶۵	۱۹۵۶ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	نصرت گرلز سکول کی عمارت کے احاطہ میں	۶۰۰۰۰	لجنہ ہال کے احاطہ میں	۸ تا ۱۴ ہزار
۶۶	۱۹۵۷ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	نصرت گرلز سکول کی عمارت کے احاطہ میں	۷۰۰۰۰	لجنہ ہال کے احاطہ میں	؟
۶۷	۱۹۵۸ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	نصرت گرلز سکول کی عمارت کے احاطہ میں	۱۰۰۰۰۰	لجنہ ہال کے احاطہ میں	۲۵۰۰۰
۶۸	۱۹۵۹ء	جنوری	۲۲، ۲۳، ۲۴ جنوری	نصرت گرلز سکول کی عمارت کے احاطہ میں	۷۰۰۰۰	لجنہ ہال کے احاطہ میں	؟
۶۹	۱۹۶۰ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	نصرت گرلز سکول کی عمارت کے احاطہ میں	۷۵۰۰۰	لجنہ ہال کے احاطہ میں	؟
۷۰	۱۹۶۱ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	نصرت گرلز سکول کی عمارت کے احاطہ میں	۸۵۰۰۰	لجنہ ہال کے احاطہ میں	15000
۷۱	۱۹۶۲ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	نصرت گرلز سکول کی عمارت کے احاطہ میں	۹۰۰۰۰	لجنہ ہال کے احاطہ میں	؟
۷۲	۱۹۶۳ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	نصرت گرلز سکول کی عمارت کے احاطہ میں	۱۰۰۰۰۰	لجنہ ہال کے احاطہ میں	؟
۷۳	۱۹۶۴ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸		۱۰۰۰۰۰ سے زائد	لجنہ ہال کے احاطہ میں	؟
۷۴	۱۹۶۵ء	دسمبر	۱۹، ۲۰، ۲۱	ملحق میدان بیت الاقصیٰ ربوہ	۸۰۰۰۰	لجنہ ہال کے احاطہ میں	؟
۷۵	۱۹۶۷ء	جنوری	۲۶، ۲۷، ۲۸	ملحق میدان بیت الاقصیٰ ربوہ	۸۵۰۰۰	لجنہ ہال کے احاطہ میں	؟
۷۶	۱۹۶۸ء	جنوری	۱۱، ۱۲، ۱۳	ملحق میدان بیت الاقصیٰ ربوہ	۱۰۰۰۰۰	لجنہ ہال کے احاطہ میں	؟
۷۷	۱۹۶۸ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	ملحق میدان بیت الاقصیٰ ربوہ	۱۰۰۰۰۰	لجنہ ہال کے احاطہ میں	۲۴ تا ۲۶ ہزار
۷۸	۱۹۶۹ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	ملحق میدان بیت الاقصیٰ ربوہ	۱۰۰۰۰۰	لجنہ ہال کے احاطہ میں	؟
۷۹	۱۹۷۰ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	ملحق میدان بیت الاقصیٰ ربوہ	۱۰۰۰۰۰	لجنہ ہال کے احاطہ میں	؟
	۱۹۷۱ء	۱۹۷۱ء پاک بھارت جنگ کی وجہ سے جلسہ ملتوی کر دیا گیا۔			×	لجنہ ہال کے احاطہ میں	×
۸۰	۱۹۷۲ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸ دسمبر	مردانہ جلسہ ملحق میدان بیت الاقصیٰ	۱۲۵۰۰۰	لجنہ ہال کے احاطہ میں	۴۵۰۰۰
۸۱	۱۹۷۳ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	مردانہ جلسہ ملحق میدان بیت الاقصیٰ	۱۲۵۰۰۰	لجنہ ہال کے احاطہ میں	؟
۸۲	۱۹۷۴ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	مردانہ جلسہ ملحق میدان بیت الاقصیٰ	۱۲۵۰۰۰	لجنہ ہال کے احاطہ میں	؟
۸۳	۱۹۷۵ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	مردانہ جلسہ ملحق میدان بیت الاقصیٰ	۱۲۵۰۰۰	"	؟
۸۴	۱۹۷۶ء	دسمبر	۱۰، ۱۱، ۱۲	مردانہ جلسہ ملحق میدان بیت الاقصیٰ	۱۲۵۰۰۰	حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب کے مکان سے ملحق گراؤنڈ میں	۵۴۵۵۷
							؟

۸۵	۱۹۷۷ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	مردانہ جلسہ ملحق میدان بیت الاقصیٰ	۱۵۰۰۰۰	حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب کے مکان سے ملحق گراؤنڈ میں	؟
۸۶	۱۹۷۸ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	مردانہ جلسہ ملحق میدان بیت الاقصیٰ	۱۱۰۰۰۰	خلافت لائبریری کے عقب میں	۶۰۰۰۰
۸۷	۱۹۷۹ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	مردانہ جلسہ ملحق میدان بیت الاقصیٰ	۱۷۰۰۰۰	〃	۶۵۶۶۰
۸۸	۱۹۸۰ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	مردانہ جلسہ ملحق میدان بیت الاقصیٰ	۱۷۵۰۰۰	〃	۴۵۰۰۰
۸۹	۱۹۸۱ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	مردانہ جلسہ ملحق میدان بیت الاقصیٰ	۲۲۰۰۰۰	〃	۶۹۶۰۰
۹۰	۱۹۸۲ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	مردانہ جلسہ ملحق میدان بیت الاقصیٰ	۲۲۰۰۰۰	〃	۷۱۶۰۰
۹۱	۱۹۸۳ء	دسمبر	۲۶، ۲۷، ۲۸	مردانہ جلسہ ملحق میدان بیت الاقصیٰ	۲۷۵۰۰۰	〃	۸۰۷۲۱

۱۹۸۴ء سے تاحال حکومت کی اجازت نہ ملنے کی وجہ سے جلسے منعقد نہ ہو سکے۔

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ

کے زمانے کا قادیان

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے زمانہ میں انگریزوں کی حکومت تھی جو کہ امن پسند قوم تھی اس وجہ سے قادیان کی آبادی میں کچھ بہتری آئی مگر وہ شان پیدا نہ ہو سکی جو اول زمانہ میں تھی کیونکہ قادیان کی خوبصورت عمارتیں باغات اور عمارات ویران ہو گئی تھیں۔ باغ کاٹ دیئے گئے تھے اور قادیان کے اندر خانہ ہائے خدا کے گر جانے کی وجہ سے جابجا ملبے کے ڈھیر تھے۔ اور ظاہر ہے کہ قادیان کی دوبارہ آبادی کے وقت حضور کے خاندان کی وہ حیثیت بھی نہیں تھی جیسی کے اول حکمرانوں کی تھی نہ اتنی دولت تھی کہ دوبارہ وہی شان و شوکت پیدا کی جائے۔ پس یہ شان و شوکت رکھنے والا قادیان جو کہ حکمرانوں کا قلعہ تھا۔ ایک معمولی بستی میں تبدیل ہو گیا اور اس میں شرک عام ہو گیا۔ ہندوؤں نے قبروں کی عبادت شروع کر دی اور دوسری اقوام اور مذہب کے لوگوں کے آباد ہو جانے کے سبب سے تہذیب و تمدن میں بھی فرق آگیا۔ معاشرہ میں کئی قسم کی برائیاں پیدا ہو گئیں۔ خاکسار اس وقت اس زمانہ کی حالت کو طول نہ دیتے ہوئے صرف کچھ شہادتیں درج کرتا ہے کہ وہ افراد جو قادیان میں باہر سے آئے انہوں نے قادیان میں آکر کیا دیکھا۔

۱۔ حضرت بھائی عبدالرحمان صاحب قادیانی کی شہادت حضرت بھائی جی سب سے پہلے قادیان میں سنہ ۱۸۹۵ء میں آئے اس وقت آپ نے جو دیکھا وہ الحکم ۱۴/ جنوری سنہ ۱۹۴۰ء میں لکھا ہے۔

"قصبات اور شہروں سے دور گوشہ گمنامی میں مستور ایک چھوٹا سا گاؤں بلکہ موضع اور قریہ لاہور سے ستر میل شمال مشرقی گوشہ پر ضلع گورداسپور تحصیل و تھانہ بٹالہ کی حدود میں واقع تھا۔ جسے قصبات و شہر تو درکنار معمولی دیہات و مواضعات، و تحصیل میں بھی کوئی شہرت یا نمایاں حیثیت حاصل نہ تھی۔ نام اس کا اس زمانہ میں کچھ اتنا غیر معروف و نامعلوم تھا کہ دنیا کے کان اس سے ناآشنا تھے کہ ۱۳۱۰ھ یا ۱۳۱۱ھ میں جب عبداللہ آتھم والی پیشگوئی کا چرچا ہوا تو میرے استفسار پر بتانے والوں نے جو کچھ بتایا وہ یہ تھا کہ دور نہیں روس کی سرحد پر کوئی گاؤں ہے جہاں کے کسی مولوی صاحب نے ایک انگریز کی موت کی پیشگوئی کی ہے کہ پھر جب سنہ ۱۳۱۲ھ کے ماہ جون میں میں کپورتھلہ ہوتا ہوا بٹالہ پہنچا تو ڈیرہ بابا نانک، کلانور بھاگوال۔ منگروال۔ پنج گرائیں۔ سری گوبند پور۔ ہرچوال اور بھام تک کے نام تو میرے کان میں پڑے مگر قادیان کے نام سے میرے کان آشنا نہ ہوئے۔ گاڑی کے اسٹیشن پر پہنچتے ہی یکہ بان ریڑھوں اور گڈوں والے کئی کھڑے چیختے پکارتے تھے میں چند گھنٹے منڈی ٹیشن اور کچہری کے آس پاس پھرا مگر قادیان کا نام میں نے نہ سنا دوبارہ جب اللہ کریم نے سیالکوٹ میں میری دستگیری کے سامان مہیا فرمائے تو قادیان کا نام میں نے کتابوں میں پڑھا۔ انوار........ اور نشان آسمانی کا مطالعہ نصیب ہوا تو نور ایمان کی شعاعوں نے میرے دل و دماغ کو منور کیا اور میری خواہش پر محترم بزرگ حضرت میر حامد شاہ صاحب نے مجھے قادیان پہنچ کر شرف اور سعادت سے بہرہ ور ہونے کا مشورہ دیا اور میں بٹالہ اتر کر قادیان پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آپ شاید تعجب کریں گے اور میرے بیان کو مبالغہ سمجھیں گے کہ مجھے اس وقت بھی بہت مشکلات کا سامنا ہوا۔ میں لوگوں سے قادیان کا راستہ پوچھتا وہ میرے منہ کو تکتے اور سوچ بچار کر کہتے کہ کادیں تو ایک گاؤں ہے تم جو نام لیتے ہو وہ اس نواح میں تو ہے نہیں تھانہ سے پوچھو شائد پتہ چل جائے ۹/ بجے غالباً" ٹرین بٹالہ پہنچی بارہ بج گئے مجھے قادیان کا پتہ نہ ملا نہ راستہ۔ حتی کہ میں گھبرا کر واپس لوٹ جانے کی فکر کرنے لگا اس شش و پنج میں تھا کہ ایک شخص میرے قریب آکر بولا جی آپ نے قادیان جانا ہے میں افسردہ اور پژمردہ ہو رہا تھا اور پریشان تھا کہ کروں تو کیا؟ اس شخص کی آواز سے ڈھارس بندھی اور امید کی ایک جھلک نظر آئی۔ میں نے اس سے قادیان کا اتہ پتہ دریافت کیا تو اس نے جواب دیا وہی نا مرزا صاحب والی قادیان۔ گنوار لوگ اس گاؤں کو کادیں کادیں کر کے پکارتے ہیں میں خود قادیان کا رہنے والا ہوں مرزا صاحب گاؤں کے رئیس اور مالک ہیں۔ میں آپ کو ان کے دروازہ پر جا اتاروں گا۔ اس تسلی کے بعد میں اس کے یکہ میں بیٹھ گیا اور وہ مجھ سے یہ کہہ کر بازار گیا کہ گھوڑے کے واسطے نہاری لے آؤں۔ مگر کچھ ایسا گیا کہ لَوٹنے کا نام ہی نہ لیا۔ کم و بیش ایک گھنٹہ میں اس یکہ میں ننگا رہا نہ اس کو چھوڑ سکوں نہ یکہ بان کی تلاش کر سکوں۔ جمعہ کا دن تھا میں نے سیالکوٹ سے روانگی میں اسی غرض سے جلدی کی تھی کہ جمعہ میں شریک ہو کر اس برکت سے حصہ پا سکوں گا۔ مگر یکہ بان کی طمع نے مجھے جمعہ میں شرکت کی برکت سے محروم رکھا کیونکہ وہ دراصل نہاری کی بجائے سواری کی تلاش میں تھا۔ قصہ کوتاہ میں اللہ کے فضل سے قادیان پہنچا وہ زمانہ سنہ ۱۳۱۲ھ کا تھا میں نے قادیان کو جس حالت میں دیکھا وہ نظارہ اپنا چشمدید لکھنے کی کوشش کروں گا۔

قادیان آتے ہوئے سڑک کے موڑ کے قریب پہنچ کر یکہ بان نے اشارہ سے بتایا کہ وہ ہے قادیان میری پہلی نظر (بیت) اقصیٰ کے خوبصورت گنبدوں اور کونوں کے میناروں پر پڑی۔ جن میں خدا جانے کیا تاثیر جذب اور کشش تھی کہ میرا دل ایک سکینت تسلی اور اطمینان سے بھر گیا۔ اور ساری کوفت اور گھبراہٹ و بے قراری جاتی رہی دل ایک تیز پرواز کی تمنا کرنے لگا کہ شہر آجائے تو اڑ کر پہنچ جاؤں قادیان پہنچ کر بڑی لمبی چوڑی فصیل پر نظر پڑی تو اس کے پہلے وقتوں کے عروج و اقبال اور عظمت و شوکت کی خیالی تصویر آنکھوں میں پھر گئی کیونکہ آثار و علامات اس کی دلیل تھے کہ یہ مقام بھی بھاری قلعہ اور ایک مضبوط حصار ہوا کرتا ہو گا اور بعد میں رہتے رہتے جو اچھی طرح دیکھا تو یہ دیکھا کہ بستی ایک فصیل کے اندر محدود تھی۔ جو جابجا شکستہ و خستہ تھی چوڑائی اس کی تیس بتیس فٹ اور اونچائی بوجہ گر جانے کے پوری معلوم نہ ہو سکی جو دیکھی وہ بعض جگہ سے آٹھ دس فٹ ضرور تھی آثار اس فصیل کے سوائے شمال مغربی کونہ کے چاروں اطراف میں نمایاں تھے۔ میں نے جو سرسری سا تخمینہ اس فصیل اور بستی کا کیا اس کے نتیجہ میں یہ لکھ سکتا ہوں کہ فصیل تقریباً مستطیل شکل میں واقع تھی جس کا طول بیرونی حدود تک کم و بیش گیارہ سو اور نو سو فیٹ تھا فصیل کے اندرونی جانب تخمیناً" اٹھارہ بیس فٹ چوڑا ایک کوچہ گول سڑک کے طریق پر چاروں طرف چھوڑا ہوا تھا۔ آج کل دائیں بائیں کی دست و بُرد کا شکار ہو کر آٹھ دس بارہ اور چودہ فٹ رہ گیا ہے۔ بلکہ بعض حصوں میں تو بالکل غائب اور ختم ہو چکا ہے اس گول سڑک کے اندر ہی اس زمانہ میں آبادی تھی فصیل گول سڑک کو چھوڑ کر اصل زیر آبادی حصہ کی پیمائش تخمیناً" ایک ہزار فٹ طویل سو فٹ عریض تھی۔ فصیل کے چاروں کونوں پر چار برج اور چار ہی اس میں دروازے تھے۔ یعنی پہاڑی دروازہ بٹالوی دروازہ، ننگلی دروازہ اور موری دروازہ، فصیل کے باہر بڑے بڑے اور پرانے ببولوں کا گویا ایک گھنا جنگل کھڑا تھا جہاں دن دہاڑے خوف آتا رات کے اندھیرے میں تو کم ہی کوئی فصیل کے باہر نکلتا ہو گا اس خار مغیلاں کے دشت سخت کے بالکل ساتھ لگی ہوئی ایک کھائی یا خندق تھی جو چاروں طرف عموماً" سال بھر پانی سے بھرپور رہتی کئی کئی میل دور سے برسات کا پانی اس نشیب میں آکر جمع ہوا کرتا تھا جو گویا ایک قدرتی امداد اور غیبی تائید تھی اس قلعہ کی حفاظت کی جو اسے قدرت کی فیاضی سے مفت میں میسر تھی۔ قصبہ کی رونق شادابی اور خوبصورتی کے لئے قصبہ سے باہر کئی باغات تھے جو چاروں طرف دور دور تک پھیلے ہوئے بہت بڑے رقبہ میں لگائے اور سجائے گئے تھے جن کے اثمار شیریں اور معطر و مصفا ہوا سے حاکم و محکوم برابر فائدہ اٹھایا کرتے تھے اس مرکز کی حفاظت و مضبوطی کے لئے چاروں اطراف وقتی ضروریات کے مدنظر مناسب مقامات پر دور و نزدیک ایک اور معاون حفاظتی قلعوں کی لائن تھی۔ جن میں بسرا۔ کھارا ٹھیکری

وال۔ رشول۔ وڈالہ۔ کنڈیلہ اور ڈھپئی کے قلعوں کے آثار تو آج تک بھی واضح اور عیاں موجود ہیں۔ اور بعض زمانہ کی دست و برد کی نظر ہو چکے ہیں۔

اس قلعہ بندی اور حفاظت و تنظیم پر نظر غائر ڈالنے سے مرکز کی مضبوطی' شان' و شوکت اور زیر نگین ریاست کی وسعت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ نیز اس عالی ہمت اولوالعزم اور اقبال مند خاندان کے حسن تدبر انتظامی قابلیت قوت عمل اور علو ہمتی کو جانچا جا سکتا ہے جس نے ہزاروں میل سے آکر جنگل میں منگل کر دیا اور ایک مستقل ریاست کی بنیاد رکھی۔

جدھر نظر اٹھاؤ ویرانہ کھنڈر عمارت برباد اور مکانات مسمار بچے کھچے اکثر مقفل و بے چراغ خال خال آباد بھی تھے ان پر بھی ایک قسم کی اداسی برستی دکھائی دیا کرتی تھی جیسے کسی اجڑے دیار کا سوگ منا رہے ہوں۔ میرا اپنا اندازہ یہ ہے کہ گاؤں کا تین چوتھائی حصہ غیر آباد یا تباہ و برباد پڑا تھا۔ اور بمشکل ایک چوتھائی حصہ آباد جس میں زیادہ سے زیادہ پانچ سو (۵۰۰) نفوس رہتے ہوں گے۔ بازار دو تھے ایک بڑا بازار سے موسوم دوسرا چھوٹا بازار مگر دونوں سنسان۔ چھوٹے بازار میں تو شاذ ہی کوئی دوکان کھلی اور آدمی نظر آتا۔ سوائے دو منحوس اڈوں کے جو دن کے بجائے رات کو زیادہ کھلتے ہوں گے۔ باقی بازار بند اور گرا پڑا تھا۔ بڑے بازار میں چند دوکانات کھلی دکھائی دیا کرتی تھیں۔ مگر کاروبار ان کا بھی کوئی دیکھنے میں نہ آتا تھا خالی دکانوں میں نکمے بت بنے بیٹھے ہوا کرتے تھے۔ یا دفع الوقتی کے لئے گھروں کی وحشت سے گھبرا کر بازار میں آجایا کرتے تھے جہاں آنے والوں کی شکل و صورت دیکھ لیا کرتے یا پانسہ چوپٹ اور شطرنج وغیرہ کھیل کر دن گزار لیا کرتے یا بعض اس ٹٹی کی آڑ میں فلاکت زدہ کسانوں اور مزدوری پیشہ محتاجوں کا خون چوسنے اور پیٹ کاٹنے کی غرض سے سودی لین دین کر لیا کرتے۔ بازار صرف نام کو تھا کام کوئی نہ تھا نہ ہنر نہ پیشہ تین دوکاندار تھے جو اس بستی کی رونق کہلاتے ایک بزاز دوسرا عطار تیسرا حلوائی ایک مسلمان اور دو ہندو اور ان تینوں کی آبادی بھی صرف اس ایک گھرانے کی بدولت تھی۔ جس کو خدا نے پھر سے نئی زمین اور نیا آسمان بنانے کے لئے چن لیا تھا۔

عطار کا کام سیدنا حضرت اقدس بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے خاندانی کمال فن طب اور فیض کا رہین منت تھا۔ یا حضرت نورالدین امام جماعت الاول کے مطب اور مریضوں کی وجہ سے اور حلوائی کا مہمانوں اور بیماروں کی آمدورفت کے باعث لالہ سکھرام صاحب بزاز کی بکری بھی محض اسی گھرانے کے طفیل تھی جو عموماً یتامیٰ و بیوگان اور غرباء کی ضرورت کے لئے خرید فرمایا کرتے مگر اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ کوئی دوکانیں تھیں حلوائی کی ایک دوکان کی تفصیل لکھ دیتا ہوں۔ اس سے دوسری دوکانوں کا بھی قیاس کر لیں چار یا چھ آنہ کا دودھ لے کر یہ لوگ صبح سے رات کے دس گیارہ بجے تک عموماً بیٹھا کرتے۔ دودھ بکتا جتنا بکتا باقی سے کھویا تیار ہوتا۔ کبھی دہی نہ بکتا تو رات کو بھلے پکوڑیاں تیار ہوتیں گاہک کوئی آگیا تو خیر ورنہ وہ بھی گھر کی مرغی دال برابر۔ چارو ناچار چوری چکاری کی باتیں۔ یہی حال بتاشے مٹھائیوں کا ہوا کرتا۔

الغرض بازار نام کو تو تھے دو۔ مگر کام کی کوئی چیز یا ضرورت کا کوئی سامان قطعاً میسر نہ آسکتا تھا بالکل معمولی معمولی ضروریات زندگی کے لئے بٹالہ امرتسر اور لاہور جانا ہوتا تھا۔ اور تو درکنار زمینداری ضروریات مثل بیج بنولے تک لوگ بٹالہ سے سروں پر اٹھا کر لایا کرتے تھے علاقہ کی پیداوار بھی بمشکل فصل کے ایام میں مل سکتی تھی۔ بنئے مہاجن اور ساہوکار شہروں کو لے جاتے تو چند ہی روز بعد پھر بیچارے کسانوں اور مزدوروں بلکہ ہر طبقہ کے لوگوں کو شہروں سے جا کر لانی پڑتی تھیں۔ گوشت سبزی کا بھی یہی حال تھا۔ قصاب دوسرے تیسرے روز بکرا کرتے وہ بھی نہ بکتا تو دیہات میں لے جا کر قرض دام یا غلہ نکلنے کے وعدے پر ادھار دے آتے۔ گوشت ایسا خراب ہوا کرتا کہ دیکھنے کو جی نہ چاہتا۔ قصابوں کی بڑی جائیداد کالی بھیڑیں ہوا کرتی تھیں بکرا شاذو نادر' بے کاری عام تھی کیونکہ کام کے لوگ اپنی عزت و آبرو بچانے کی غرض سے بستی چھوڑ کر جا چکے تھے۔ پیچھے بیکار یا بدقماش رہ گئے تھے۔ یا ست اور کاہل۔ کام کے لوگ نکل گئے تو نکمے پڑے رہے جس کے نتیجے میں مختلف قسم کی عادات قبیحہ اور افعال شنیعہ میں لوگ مبتلا تھے۔ قماربازی کا بازار گرم رہتا جس کے کئی اڈے قائم تھے گردونواح کے بدقماش اور آوارہ لوگ آتے پولیس چھاپے مارتی لوگ دیوالیہ و کنگال ہوا کرتے۔ رونق ہوا کرتی ٹھیکہ کی دوکانوں پر ام الخبائث کا ٹھیکہ موجود۔ بھنگ چرس گانجہ

کے دم لگا کرتے۔ چنڈو کا استعمال ہوتا۔ افیون اور دھتورہ کا استعمال بھی عام تھا حقہ نوشی اور میکشی اور بے فروشی کی کوئی انتہاء نہ تھی اور ان کے نتائج تلخ بھی لوگوں چکھنے پڑا کرتے تھے۔ صفائی کا یہ حال تھا کہ جابجا کوڑا کرکٹ اور نجاست کے تودے گوبر اور گندگی کے انبار لگے رہا کرتے تھے۔ جن کی وجہ سے ہر گھر سنڈاس اور کوچہ و گلی گندے نالے کا منظر پیش کرتے کوچوں کا یہ حال تھا کہ دن کی روشنی میں بھی دشوار گزار تھے۔ بڑے بڑے گھینگر گلی کوچوں کو ناہموار اور ناقابل عبور بنائے ہوئے تھے۔ گندہ پانی اور مویشیوں کا بول و براز مل کر ایسا تعفن پیدا کرتے کہ دماغ سڑا کرتا تھا۔ بعض میلے بھی ہوا کرتے۔ جن میں جہالت کے کمالات اور ہنروں جوہروں کا ایسا مظاہرہ ہوتا کہ شرافت تو درکنار انسانیت بھی سر پیٹ لیتی اور مارے ندامت اور شرمندگی کے پانی بن کر بہ نکلتی خصوصاً" میلہ قدم شریف جو بستی کے بالکل متصل ہندو حصہ آبادی کے پاس لگا کرتا ایک رات اور دن لوگ دور دور سے آ کر اکٹھے ہوتے رات کو آئے ہوئے مرد اور عورتوں کی ٹولیاں گند بکتیں۔ اور جس طرح ننگے گانے گاتیں ان کے ذکر سے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں بستی کے گلی کوچوں میں رات دن وہ اودھم مچا کرتا کہ الامان والحفیظ اور پکڑ دھکڑ پر منتج ہوا کرتے۔

عرب جاہلیت کے میلے جہالت اور بد تہذیبی کے لئے ضرب المثل سنے جاتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ میلے ہر رنگ میں ان پر سبقت لے جایا کرتے تھے کیونکہ عربوں کے میلوں میں اکثر حصہ علم و ادب۔ فصاحت و بلاغت کے لئے وقف ہوا کرتا۔ جوا بھی کھیلا جاتا تو اس کی تہ میں غریب نوازی اور خدمت خلق کا جذبہ پنہاں ہوا کرتا تھا یا اخراجات جنگ کی فراہمی مدنظر ہوا کرتی مگر یہاں سر تا پا گالی گلوچ گندے اور ہزلیات وبکواس حیا سوز حرکات اور غیریت کش افعال جس پر طرفہ قمار بازی اور شر و فساد خدا کی پناہ۔ میں جس زمانہ کے چشمدیدہ واقعات بیان کر رہا ہوں وہ ۱۳۱۴ ہجری یا سنہ ۱۸۹۵ء کا زمانہ ہے سیدنا حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے دعویٰ کے بعد کا زمانہ ہے اور اس زمانہ میں یہ بستی قادیان کی مقدس بستی بن چکی تھی نیک اور شریف تعلیم یافتہ لوگوں کا مرجع اور خدا شناسی کا مرکز ہونے کی وجہ سے ترقی کی راہوں پر گامزن تھی اور بہت کچھ اصلاح بھی عمل میں آ چکی تھی۔ باوجود اس کے ان حالات کی موجودگی بستی کی کچھ ہی عرصہ پہلے کی حالت ابتر کی مظہر ہے کہ نوبت کہاں تک پہنچی ہوگی۔ گیدڑ لومڑ اور بڑے بڑے جنگلی بلے تو سر شام ہی غلاظت اور سنڈاس کے ڈھیروں پر منڈلانے لگا کرتے تھے ان کے علاوہ بعض درندے اور وحوش رات کی تاریکی میں آتے اور بھیڑ بکری' مرغی' بلوں تک کو اٹھا لے جاتے احمدیہ چوک کے شمال مشرقی کونہ کی دوکان جس میں آج کل شیخ احمد دین صاحب ڈنگوی بیٹھتے ہیں کسی وقت حضرت نواب صاحب قبلہ کا باورچی خانہ تھا۔ جس کے آگے ایک پھاٹک لگا ہوا تھا۔ گوشت یہاں عموماً" خراب ملا کرتا اور بعض اوقات ضرورت کے وقت مل ہی نہ سکتا تھا۔ لہذا حضرت نواب صاحب کے ہاں اس کا انتظام رہتا۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ بکرا وہاں بند تھا۔ رات کو بھیڑیا آیا اور اس نے پھاٹک کا ایک حصہ توڑا اور بکرا اٹھا کر لے گیا۔ اس سے بھی بڑھ کر ایک چشمدیدہ واقعہ سناتا ہوں ایک روز دن دہاڑے ایک لمبے دانت والا جنگلی خنزیر شرقی ڈھاب میں پانی پی اور نہا کر شکستہ فصیل سے جہاں آج کل حضرت عرفانی صاحب کا مکان ہے اور دفتر الحکم ہے بستی میں داخل ہوا۔ اور سیدھا ایک شخص دھنوئں کے گھر جا گھسا۔ جہاں اس کی بیوی بیٹھی چرخا کات رہی تھی۔ عورت اس بدصورت خونخوار بد کو دیکھ کر گھبرائی گھبراہٹ میں اور کچھ نہ بن پڑا تو ہاتھ سے دھتکارنے لگی اس نے ہاتھ پکڑ کر چبا لیا اور پھر شور و غوغا سے خائف ہو کر گاؤں کے گلی کوچوں سے ہوتا ہوا بستی کے غربی جانب سے نکل کر گنے کے کھیتوں میں جا گھسا اور آخر شکاری کتوں اور شکاریوں کا شکار ہو کر جرأت کی پاداش کو پہنچا۔ بھیڑیا جسے پنجابی میں بگھیاڑ کہتے ہیں اس کثرت سے ہو گیا تھا کہ موجودہ سٹیشن اور بستی کے درمیان ایک جوہڑ کا نام ہی بگھیاڑاں والا چھپڑ مشہور تھا۔ نہ صرف یہی بلکہ گاؤں کے باہر بعض حصے ویرانی و بربادی کے باعث اتنے بھیانک اور ڈراؤنے ہو چکے تھے کہ بھوت چڑیل کا مرکز کہلاتے۔ جہاں دن دہاڑے لوگ جانے سے گھبرایا کرتے تھے۔ اس طرح گویا یہ بستی جو ایک قوم کے ذریعہ جنگل سے منگل بنی تھی دوسری قوم کے ذریعہ سے پھر تنزل کر کے منگل سے جنگل آباد سے ویران اور علم و فضل۔ ہنر و حکمت اور نیکی تقویٰ کی بجائے جہالت اور رزالت۔ بیکاری اور جہالت اور بدی و بدکرداری کا مرکز ہو چکی تھی۔

With Compliments

For Best Quality and Services
Please Contact

ORGANO CHEMICALS PVT. LIMITED

P. O. BOX 1057, Sarfraz Colony, Maqbool Road,
Faisalabad (pakistan)

ACTIVITIES

IMPORTS

1. Synthetic thickener
"NOVAPRINTCL"
2. Flourescent Brightener
"OPTIBLANC"
3. Intermediate

i. 4.4' Diaminostilbene 2.2' Disulphonic Acid.
ii. Sulphanilic Acid.
iii. Para-Nitrotoluene
iv. Meta-Nitrotoluene
v. Ortho-Nitrotoluene
vi. Cyanuric Acid
vii. Flocculants
viii. Sodium dichloroisocyanurate dihydrate
ix. Trichloisocyanuric Acid

MANUFACTURING

* Detergents all types
* Softeners (Cationic, Non. IONIC Anionic)
* Resins all types
* Textile pigments full range
* Textile sizing Agents for warp sizing

BRANCH OFFICE

27-Palace Market
Beadon Road, Lahore.
Ph.042-221731

HEAD OFFICE

P. O. Box No. 1057
Sarfraz Colony, Faisalabad.
Tel: Head Office
0411 - 624945 - 46
Factory: 718552 - 53
Tlx: 43472 OPGNO PK
Fax: 0411 - 711509

REPRESENTATION

SIGMA Prodotti Chimici
S. P. A. Bergamo.
ITALY.

"اللہ تعالیٰ نے ہر ایک مرض کیلئے دوا پیدا کی ہے"

آپریشنز اور سرجری کے متعلق ہومیو پیتھک نقطۂ نظر یہ ہے کہ بعض امراض میں بروقت مناسب تشخیص اور علاج نہ ہونے اور غفلت کے سبب بسا اوقات مرض اس حالت تک جا پہنچتا ہے کہ اس کے لئے آپریشن ناگزیر ہو جاتا ہے (حالانکہ ان امراض سے شفایابی نہ صرف ممکن ہے بلکہ ہومیو پیتھی میں یہ ایک روزمرہ کا معمول ہے) پھر آپریشن کے بعد یہ عام مشاہدہ ہے کہ مرض دوبارہ عود کر آتا ہے کیونکہ آپریشن کے ذریعہ کسی مرض کی انتہائی تکلیف دہ حالت یا نتیجہ (مثلاً گردہ کی پتھری، رسولی، بواسیر وغیرہ) سے وقتی طور پر چھٹکارا تو حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن آپریشن ان اسباب اور وجوہات کو دور نہیں کر سکتا جو ان امراض کا اصل سبب ہیں۔ لہذا آپریشن کے بعد بھی دوبارہ بیماری کے حملہ سے بچاؤ کیلئے درست ہومیو پیتھک علاج نہایت ضروری ہے مثلاً اگر ایک دفعہ لیتھوٹرپسی یا آپریشن کے ذریعہ گردہ کی پتھری خارج کر دی جائے تو پھر اس کے بعد بھی آئندہ پتھری بننے کے عمل کو روکنے کیلئے درست ہومیو پیتھک علاج نہایت ضروری ہے۔

فری سیمپلز
SAMPLES

مستند معالجین مزمن امراض (CHRONIC DISEASES) کیلئے فری سیمپلز اور لٹریچر طلب کریں۔ ہمارا نمائندہ خود حاضر ہوگا یا بذریعہ ڈاک روانہ کر دیئے جائیں گے۔

**** ذیل میں چند اہم کیورٹو ادویات درج ہیں ****

پتھری گردہ کورس	230/= روپے	KIDNEY STONE COURSE	گلہڑ کورس	100/= روپے	GOITRE COURSE
بواسیر کورس	50/= پے	PILES COURSE	پراسٹیٹ کورس	50/= روپے	PROSTATE COURSE
گلٹی کورس	80/= روپے	NODES COURSE	ناخونہ کورس	90/=	PTERYGIUM COURSE
موتیابند کورس	90/= روپے	CATARACT COURSE	چھوٹا قد کورس	120/= روپے	DWARFISHNESS COURSE
ہائی بلڈ پریشر کورس	180/= روپے	HYPERTENTION COURSE	کثرت پیشاب کورس	55/= روپے	URINATION COURSE
ہرنیا کورس	80/= روپے	HERNIA COURSE	گنٹھیا کورس	90/= روپے	GOUT COURSE
سچی بوٹی ٹنکچر	30/= روپے	SUCHI BOOTI TINCTURE	ٹانک ڈراپس	40/= روپے	TONIC DROPS

**** کسی بھی بڑے ہومیو پیتھک سٹور سے حاصل کریں ****

فرسٹ ایڈ پاکٹ پرس FIRST AID POCKET PURS

یہ پرس سات خوشبویات (SMELLS) پر مشتمل ہے جو روزمرہ کی مختلف تکالیف میں بفضلہ تعالیٰ فوری طور پر مؤثر ہیں مثلاً:-

- نزلہ زکام، کھانسی، گلے کی خرابی، ناک کی بندش اور سردی لگنے کے باعث پیدا ہونیوالی دیگر علامات کے شروع ہوتے ہی اگر بروقت فلو کیورٹو سمیل FLU CURATIVE SMELL پانچ سات منٹ کے وقفہ سے تین چار بار سونگھ لی جائے تو یہ علامات بفضلہ تعالیٰ یہیں ختم ہو جاتی ہیں۔ گویا سردیوں کے موسم میں ایک روزمرہ ضرورت کی چیز ہے۔
- خدانخواستہ کسی کو گھبراہٹ، بے چینی، دل ڈوبنے، دھڑکن دل یا دردِ دل کی شکایت ہو تو فوری طور پر ہارٹ کیورٹو سمیل HEART CURATIVE SMELL پانچ پانچ منٹ کے وقفہ سے دو تین بار سونگھنے سے بفضلہ تعالیٰ فوراً طبیعت سنبھل جاتی ہے۔
- نظام ہضم کی کوئی بھی تکلیف (مثلاً پیٹ درد، بدہضمی، گیس، متلی اور اسہال وغیرہ) پیدا ہو تو ڈائی جسٹ کیورٹو سمیل DIGEST CURATIVE SMELL پانچ دس منٹ کے وقفہ سے ۲ دو تین ۳ بار سونگھیں
- کسی بھی قسم کے بخار کی ابتدائی حالت میں فیور کیورٹو سمیل FEVER CURATIVE SMELL ۲ دو چار ۴ بار سونگھنے سے بفضلہ تعالیٰ بخار اتر جاتا ہے۔
- سر درد، کان درد، دانت درد اور دیگر جسمانی دردوں کیلئے درد کی شدت کے مطابق پینز کیورٹو سمیل PAINS CURATIVE SMELL پانچ منٹ سے لیکر ۲ دو گھنٹہ تک کے وقفہ سے سونگھیں
- ہر قسم کی شدید تکلیف میں (خواہ تشخیص نہ بھی ہو) ایمرجنسی کیورٹو سمیل EMERGENCY CURATIVE SMELL جلد جلد دو چار بار سونگھنے سے بفضلہ تعالیٰ طبیعت فوراً سنبھل جاتی ہے۔
- ہر قسم کی مزاجی علامات مثلاً صدمہ، غم، غصہ، مایوسی، موڈ کی خرابی اور TENSION میں ٹیمپر کیورٹو سمیل TEMPER CURATIVE SMELL فوری افاقہ بھی پہنچاتی ہے اور مستقل فائدہ بھی دیتی ہے

غصیلے مریض کو پانی پلانے کے بہانے اس کے ۲ دو قطرے ۲ دو گھونٹ پانی میں پلائے جا سکتے ہیں۔ قیمت پاکٹ پرس =/150 روپے۔ قیمت فی سمیل =/20 روپے۔ سٹاکسٹس کیلئے معقول کمیشن

(موجد:- ہومیو پیتھک ڈاکٹر راجہ نذیر احمد ظفر)

مزید تفصیلات کیلئے لٹریچر طلب کریں

اپنے ساتھ دوسرے مریضان کیلئے بھی دعا کو معمول بنائیے

آفس: (04524) 771
سیلز: (04524) 211283
کلینک: (04524) 606

کیورٹو انٹرنیشنل * ربوہ * پاکستان